رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

نگار

قواعد رسالہ "نگار"

۱۔ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے۔

۲۔ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

۳۔ خط کتابت کیوقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے جسپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردیئے جاتے ہیں

۴۔ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۵۔ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہییں۔

۶۔ سالانہ قیمت پانچ روپیہ، ششماہی تین روپیہ۔ بیرون ہندسات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے۔

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۵ روپیہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۴ روپیہ	۱۴ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۹ روپیہ	۶ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے ان کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا میعاد اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے۔

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

مولانا نذیر احمد

- نبات النعش ۹ر
- مراۃ العروس ۱۰ر
- توبۃ النصوح ۱۲ر
- موعظہ حسنہ عہ
- رویائے صادقہ عہ
- ایامیٰ عہ
- فسانۂ مبتلا عہ
- ابن الوقت عہ
- مصائب غدر ۱۲ر

مولانا شبلی

- سیرۃ النبی جلد اول عہ
- 〃 دوم عہ
- 〃 سوم عہ
- الفاروق عہ
- سیرۃ النعمان عہ
- الغزالی عہ
- المامون عہ
- سوانح مولانا روم عہ
- سفرنامہ مصر و شام عہ
- علم الکلام عہ
- الکلام عہ
- رسائل شبلی عہ
- مقالات شبلی عہ
- شعر العجم جلد اول سے
- 〃 دوم عہ
- 〃 سوم عہ
- 〃 چہارم سے
- 〃 پنجم عہ
- موازنہ انیس و دبیر سے
- مضامین عالمگیر ۸ر
- آغاز اسلام ۸ر
- کلیات فارسی عہ
- کلام شبلی اردو ۸ر

امیر مینائی

- صنم خانۂ عشق عہ
- مراۃ الغیب عہ
- محامد خاتم النبیین ۸ر
- ضیائے سخن عہ
- مکاتیب امیر مینائی عہ

رتن ناتھ سرشار

- سیر کہسار عہ
- خدائی فوجدار عہ
- جام سرشار عہ
- الف لیلیٰ طرز ناول عہ
- کامنی عہ
- سوانح عمر و عیار ۶ر

منشی سجاد حسین

- احمق الذی ۸ر
- حاجی بغلول ۸ر
- پیاری دنیا ۸ر
- کایا پلٹ ۸ر
- میٹھی چھری ۶ر
- طرحدار لونڈی عہ
- طلسمی فانوس عہ

جوالا پرشاد برق

- مرنالنی ۱۲ر
- مار آستین ۱۲ر
- بنگالی دلہن ۱۲ر
- معشوقۂ فرنگ ۱۲ر

نگار

فہرست مضامین جولائی سنہ ۱۹۲۹ء

ملاحظات ــــــــ ۲

حکومت برطانیہ کی وسعت کارانہ (سیاسی) عبدالقیوم رسا ۹

تصویر کی موت - (افسانہ) ــــ عبدالسلیم - ۱۹

برہان پور (تاریخی) ــــ سید احمد اللہ قادری - ۲۶

پرستار محبت - (افسانہ) ــــ محشر عابدی - ۳۳

تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر - عبدالمالک (آروی) - ۴۹

شیطان کی آنت ــــ رشید احمد صدیقی - ۶۰

باب المراسلۃ والمناظرۃ ــــــــ ۷۷

باب الاستفسار ــــــــ ۸۴

وے بخیر گزشت - (فسانہ) ــــ ۸۹

مغنیۂ مصر (نظم) - روش صدیقی - ۹۳

غزل فرخ بنارسی و نظیر لودھیانوی ــــ ۹۴

غم روزگار - سید علی اختر - ۹۵

"آجا" ــــ طالب باغپتی - ۹۶

نگار

اڈیٹر:۔ نیاز فتحپوری

جلد ۱۶ | جولائی سنہ ۱۹۲۹ء | شمارہ (۱)

ملاحظات

نگار کی اس اشاعت سے سولھویں جلد کا آغاز ہوتا ہے اور گزشتہ ۱۵ سال ۶ ماہ کا زمانہ غالباً "حق صحبت دیرینہ" قایم کرنے کے لئے ناکافی نہ سمجھا جائے گا جسکے مطالبہ میں اگر نگار اور ناظرین نگار دونوں اصرار و ابرام سے کام لیں تو بیجا نہ ہوگا۔

سب سے پہلے مجھے اپنے ادائے فرض کے متعلق یہ کہنے میں مطلق پس و پیش نہیں ہو سکتا کہ:۔

از نفس انچہ داشتیم صرف ترانہ کردہ ایم

اب یہ اور بات ہے کہ نتیجہ کے لحاظ سے اور اثر و اعتبار کی حیثیت سے میں اک لفظِ "اعتراف" کا بھی مستحق نہ قرار پاؤں

شعلہ چکد عنم گرا، گل شگفد مژدکو

شمع شبستا نیم باد سحر گاہیم

یہ تو صورت ہوگئی اس حق کے فیصلہ کی جو ناظرین نگار کی طرف سے مجھ پر یا نگار پر عاید ہوتا ہے، اب رہا میرا یا نگار کا مطالبہ ملک و اہل ملک سے سو اس کے متعلق کیا عرض کروں، حقیقت یہ ہے کہ "نہ میں سمجھا" اور نہ آپ نے بے مہری سے کام لیا، تاہم انور دہلوی کا یہ مصرعہ ضرور زبان پر آجاتا ہے کہ:۔ "پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے"

نگار اب اس حد سے گذر گیا ہے کہ اس کے مقاصد و اغراض کی تشریح کیجائے اور نہ اسکو اُس سطح سے نیچے لے آنے کی کوئی توقع کسی کو پیدا کرنا چاہئے جو اُسنے اپنے لئے بالکل جداگانہ قایم کرلی ہے، کیونکہ جو لٹریچر اس کے ذریعہ سے پیش ہو رہا ہے، خواہ وہ ادب لطیف سے متعلق ہو یا اصلاح مذہب و معاشرت سے دنیا کی کوئی یسیر الحصول جنس نہیں ہے اور نہ وہ تاجرانہ لب و لہجہ "سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز ہے، جس کا بطون اس کے ظاہر سے مختلف ہوا کرتا ہے اور جس کو ہر وقت آسانی سے بدلنا ممکن ہے، میں جو کچھ کہتا ہوں حق سمجھ کر کہتا ہوں اور صداقت کے اعلان میں دنیا کی کسی قوت سے نہ ڈر کر جو مسرت میں محسوس کرتا ہوں اسکو مٹا دینا میرے اختیار کی بات نہیں،

برلب یا علی سرائے بادہ روانہ کردہ ایم　　　مشرب حق گزیدہ ایم عیش مغانہ کردہ ایم

نگار نے جو عظیم الشان انقلاب، ہندوستان کے مذہبی عقول انسانی میں پیدا کر دیا ہے وہ اتنا زبردست "معاوضہ" میری حقیر مساعی کا ہے کہ بعض اوقات میں متحیر ہو جاتا ہوں کہ

تا چہ فراہم شد ست اجرت جانکاہ ایم

اور اس کے بعد میں ایک خاص قسم کا استغنار محسوس کرتا ہوں، لیکن جسوقت میں یہ دیکھتا ہوں کہ

از ہرچہ گفتن داشتم ایں جملہ حرفے بیش نیست

تو میری بےچینیاں بڑھ جاتی ہیں اور "وسعت بیان" کی تمنا کے ساتھ ساتھ یہ بھی دل چاہتا ہے کہ "گوش سخن شنو" اور "دیدۂ اعتبار" دونوں میں اضافہ ہو۔ اس لئے قبل اسکے کہ یہ جلد ختم ہو آپ کو ایک بار بھی تنہائی میں بیٹھ کر غور کر لینا چاہئے کہ آپ نے اس "حقِ دیرینہ" کا کس حد تک اعتراف کیا ہے چونکہ فرض کے استمرار کے ساتھ وقت و زمان کی تعیین اٹھ جاتی ہے اس لئے آپ اب بھی اور ہر وقت اسکی تلافی کر سکتے ہیں۔

گذشتہ ماہ کی اشاعت میں مینے، اجمالی طور پر یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ نگار اور اس کے کاروبار کو اب کسی خاص شخص کی ملکیت رکھنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اجتماعی حیثیت سے اس کو چلانا ہے، مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس تجویز کو بہت سے حضرات نے پسند کیا اور وہ عملاً اس میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ بہرحال میں ایک ماہ کی مہلت اور دیتا ہوں تاکہ اچھی طرح پبلک اس پر غور کرے اس کے بعد میں مفصل لائحہ عمل شایع کروں گا جس سے سرمایہ کی کی مقدار، کاروبار کی عملی صورت اور متوقع نفع کا اندازہ ہو سکے گا، میں خود اس ارادہ کی تکمیل کے لئے اخیر جولائی میں حیدرآباد اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا سفر کروں گا، اور دیکھوں گا کہ کس حد اور کس وقت تک میری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ جو حضرات اس باب میں خط و کتابت کرنا چاہیں، وہ براہ راست مجھ سے کر سکتے ہیں۔

امیر امان اللہ خان ساحل ہند کو خیرباد کہہ چکے اور اُس سرزمین مین پہونچ گئے جہان زندگی ہے، نشاطِ عمل ہے، ولولۂ اقدام وترقی ہے۔ حکومت وسلطنت خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے جو کسی انسان کو عطا ہوسکتی ہے، لیکن ایک نعمت اس سے بھی زیادہ مہتم بالشان اور ہے، جس کا نام ضمیر کی آزادی، فکر کی حریت اور حس وخیال کی روشنی ہے۔ ایک مجبور وپابند بادشاہ سے پوچھئے کہ وہ ایک آزاد مزدور کی زندگی کو کیا سمجھتا ہے جو دن بھر کی محنت سے تھک کر دماغ کے پورے سکون کے ساتھ رات بھر صحت کی نیند سوتا ہے۔ کیا نپولین جس وقت جزیرۂ ہلنا مین محبوس ومقید تھا، وہ ایک معمولی سپاہی کی آزادی کے لئے نہین ترس رہا تھا، اور کیا جس وقت ملکہ میری جلاد کے تیغ کے نیچے گردن جھکائے ہوئی تھی، اس بات کی متمنی نہ رہی ہوگی کہ اُسے ایک ادنیٰ خادمہ ہی کی حیثیت سے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اگر امان اللہ خان بھی دوبارہ افغانستان کی حکومت حاصل کرنے کے بعد اتنے ہی مجبور ہوتے اور تمام اصلاحات کا دروازہ ان کو بند کرنا پڑتا تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس حالت مین اپنے آپ کو صحیح معنی مین وہان کا حکمران سمجھتے" اور انھین اس ثروت وحکومت کے حصول پر حقیقی مسرت ہوتی۔ چنانچہ یہی وہ جذبہ تھا جس کی بنا پر انھون نے کہا تھا کہ "مین افغانستان کو جاہل رکھ کر اسپر حکومت کرنے کے لئے طیار نہین"۔

زوال امان اللہ خان کے صحیح اسباب کی تاریخ تو کسی وقت زمانۂ مستقبل مین طیار ہوگی لیکن بحالت موجودہ اسقدر ضرور کہا جاسکتا ہے کہ بعض غلطیان امان اللہ خان سے ضرور ہوئین جنھون نے دشمنون کو بغاوت کا موقعہ دیا۔ پہلی غلطی تو یہ ہوئی کہ انھون نے تدریجی اصلاح کو مدنظر نہین رکھا اور چونکہ وہ فطرتاً نہایت عجول اور بےچین دل ودماغ رکھتے ہین اس لئے وہ چاہتے تھے کہ افغانستان کو معجزانہ طور پر دفعۃً حیوان سے انسان بنادین، حالانکہ ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔ دوسری غلطی بالکل حضرت عثمان غنی کی طرح ان سے بھی یہ ہوئی کہ خاص ایک جماعت کو برسراقتدار کردیا اور دوسری اہم جماعتون کو جن کا ملک وقوم مین بڑا اثر تھا، بددل ہوجانے کا موقعہ دیا۔ اس مین شک نہین کہ سردار محمود طرزی ایک روشن دل ودماغ کے انسان ہونے کی حیثیت سے ہر عزت واحترام کے مستحق تھے، لیکن اُن کا اور ان کے خاندان کا عروج بالکل برامکہ کا سا عروج تھا کہ تمام سلطنت پر حاوی ہوگئے اور آخرکار خلفاء عباسیہ کو ان کا استیصال کرنا پڑا۔ یہان یہ ہوا کہ خود ملک نے شاہ ووزیر دونون سے انتقام لیا۔ لیکن افسوسناک امر صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ صرف اغراض ذاتی کے لئے ہوا اور انقلاب پیدا کرنے والون مین ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کے سامنے ملک کے فلاح وبہبود کا سوال ہو۔

بہرحال وہ تو جو کچھ ہونا تھا ہوا لیکن امان اللہ خان کا نام اکابر عالم کی فہرست مین ضرور داخل ہوگیا اور افغانستان کی تاریخ کبھی اس شخص کے احسانات سے سبکدوش نہین ہوسکتی جس نے چند سال کی مدت مین ملک کو خاک سے پاک بنادیا تھا۔ یون تو مستقبل کے واقعات پر حکم لگانا دشوار ہے، لیکن بظاہر حالات اب کوئی امید امان اللہ خان کی واپسی کی نہین ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس سلسلہ مین ان کے صاحبزادے حکمران ہوجائین، نادر خان کے نام قرعۂ حکومت پڑجائے یا کوئی اور

تیسرا شخص منتخب ہو جائے، لیکن بعض مخصوص اسباب کی بناء پر امین اللہ خان کا پھر واپس آنا بہت متعذر ہے۔

افغانستان سے جو خبرین آجکل آرہی ہین، وہ بھی نا قابل اعتبار ہین تاہم یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ امان اللہ خان کے چلے آنے کے بعد سے "بچہ سقہ" کی اہمیت بہت کم ہو گئی ہے اور وہ خود بھی اس کو محسوس کرکے مضطرب ہو رہا ہے۔

اس وقت ہندوستان جس سیاسی منزل سے گزر رہا ہے وہ حقیقتاً بہت نازک ہے اور جس جماعت نے اس کی نزاکت کو نہ سمجھکر موقعہ کو ہات سے جانے دیا اس کا مستقبل سخت تاریک ہے۔

حکومت نے اس امر کو پوری طرح محسوس کر لیا ہے کہ ہندوستان کا موجودہ نظام حکومت یقیناً بدلنا ہے اور آج نہین تو کل اُسے ضرور آزاد ہونا ہے، اس لئے ایسی حالت مین جو پالیسی حکومت کی ہونا چاہئے ظاہر ہے یعنی جس صورت مین کم سے کم قربانی اس کو کرنا پڑے گی، وہی وہ اختیار کریگی اور پھر اُس وقت اس کے سامنے سوائے اپنے مفاد کے اور کوئی سوال نہ ہوگا۔

اس وقت انگلستان کے ایوان حکومت مین مزدور جماعت کے اقتدار نے ہندوستان کے مسئلہ کو بہت زیادہ اہم کر دیا ہے اور سائمن کمیشن کا نہرو رپورٹ کے اصول پر سفارش کرنا اور حکومت کا اُسے منظور کر لینا مستبعد نہین اس لئے بحالت موجودہ مسلمانون کی پوزیشن بہت زیادہ نازک ہے، کیونکہ ان کی بعض جماعتون نے نہرو رپورٹ سے مخالفت کرکے ایک ایسا محاذ قایم کیا ہے جس کے کامیاب ہونے کی مطلقاً کوئی توقع نہین ہو سکتی۔

مسلمانون کی طرف سے بڑی قوی دلیل (جو حقیقتاً نہایت ضعیف و کمزور ہے) مخالفت کی یہ پیش کیجاتی ہے کہ ان کے اقلیت کی کوئی رعایت ملحوظ نہین کی گئی اور حکومت برطانیہ اس کو حرب و دماغ کا بڑا ذریعہ سمجھکر اس سے کام لے رہی ہے، حالانکہ جس وقت نہرو رپورٹ کے اصول پر نظام حکومت قایم ہوا تو یہی حکومت برطانیہ جو اس وقت اقلیت کے عذر مین مسلمانون کے ہمنوا نظر آتی ہے، اسپر کاربند نہ ہوگی اور اقلیت کے تمام عذرات کو خود ہی ٹھکرا دیگی۔

اسوقت تک کہ حکومت کسی فیصلہ کرنے پر مجبور نہین ہے وہ آخری لمحہ تک ہر عذر لنگ کو ایک برہان ساطع اور ہر رائی کو پہاڑ بنا کر دکھائے گی، لیکن جب اس کو کوئی فیصلہ نہرو رپورٹ کے موافقت مین کرنا پڑا تو پھر نہ اقلیت کی ہمدردی ہوگی اور نہ کمزور کی اعانت۔ یہ کم لوگون کو معلوم ہے کہ گھونسہ کھا کر اس کا اعتراف کر لینا "جان بُل" کی خصوصیات مین داخل ہے۔

امسال انتخابات کے التواء سے حکومت ہند نے بہت کچھ اس تخریب کی رخنہ بندی کر لی ہے جو بصورت دیگر بالکل لاعلاج ہو جاتی، لیکن کیا دنیا اسقدر بیوقوف ہے کہ وہ ان کمزوریون کو محسوس نہین کر سکتی۔ اگر امسال انتخاب ملتوی نہ ہوتا تو شاید اقلیت و اکثریت کا مسئلہ بڑی حد تک سلجھ جاتا اور سال ختم ہونے کے بعد جب کلکتہ کانگریس کے فیصلہ کے مطابق پروگرام مقاطعہ کا آغاز ہوتا تو ہندو مسلمانون کے درمیان خلیج افتراق اسقدر وسیع نہ ہوتی۔

مسلمانون کی ایک جماعت جو نہرو رپورٹ کی مخالف ہے اور بعض اُن کی ہمت افزا اخبار کہتے ہین کہ ہمکو نہرو رپورٹ سے مخالفت اکثریت و اقلیت کی بنا پر نہین ہے بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ہم نو آبادی کی سی حیثیت کو ہندوستان کی توہین سمجھتے ہین اور ہم مکمل غیر مشروط آزادی کے طالب ہین۔ یقیناً یہ حجت نہایت بلند ہے اور ہر وہ شخص جو اس کو سنے گا، مسلمانون کی اس ہمت مردانہ کی داد دیگا۔ لیکن سوائے الفاظ کے اس مین کوئی حقیقت نہین ہے اور یہ محض پردہ ڈالنا ہے اپنی بزدلی پر اصلیت تو یہ ہے کہ جی ڈر رہا ہے ہندوؤن کی اکثریت سے اور اس کی مخالفت کیجاتی ہے اس طرح تاکہ ان کی ساکھ نہ مٹنے پائے۔

اوّل تو اقلیت کا صرف اس بنا پر خائف ہونا کہ وہ اقلیت ہے حد درجہ سفیہانہ اور بزدلانہ جذبہ ہے۔ کیونکہ جس طرح سے اکثریت نام صرف زیادتی اعداد کا نہین ہے اسی طرح اقلیت کمی اعداد کو نہین کہتے۔ اس کا سب سے روشن ثبوت مسلمانون کو خود اپنی تاریخ سے ملسکتا ہے کہ انھون نے اقلیت ہی سے اکثریت حاصل کی اور اکثر و بیشتر یہی ہوا کہ ان کی نہایت محدود جماعت نے بڑے بڑے لشکرون کے مُنہ موڑ دیے۔ اکثریت نام صرف قوت روح و اخلاق کا ہے، عزم و پامردی کا ہے۔ جنگل مین شیر تنہا ہوتا ہے اور لومڑیان ہزارون لیکن نہ آج تک کسی شیر کے دل مین لومڑیون کی طرف سے خدشہ پیدا ہوا اور نہ اس بنا پر اس نے جنگل چھوڑا۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو تسلیم کر لین کہ نہرو اسکیم کے نفاذ کے بعد ہندوؤن کی کثرت مسلمانون کیلئے خطرناک ثابت ہوگی، تو اس کا کیا علاج ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی اکثریت تو کسی طرح کم ہو نہین سکتی یہانتک کہ وہ قوت بھی جس کے اعتماد پر ہم اپنی اقلیت کے توازن کو قایم کرنا چاہتے ہین اس کا کوئی مداوا اپنے پاس نہین رکھتی۔ پھر صورت یہی رہجاتی ہے کہ اپنی کیفیت سے ان کی کمیت کو دور کیا جائے۔ یا پھر انتظار کیا جائے اُس وقت کا جب اکثریت کے حقیقی خطرات رونما ہون اور پھر پوری قوت کے ساتھ اس کی مخالفت کیجائے۔ لیکن قبل از وقت خواہ مخواہ وہم و قیاس کی بنا پر رعشہ براندام رہنا اور اس طرح اپنے طرف سے بے اعتمادی پیدا کرا دینا بالکل خلاف عقل و مصلحت ہے۔

یہ بالکل درست ہے کہ نو آبادی کا سا مرتبہ ہندوستان کو ملجانا کوئی قابل فخر بات نہین، لیکن نہرو رپورٹ مین ہمکو کسی ایک جگہ بھی یہ نظر نہین آتا کہ وہ صرف اسی پر قناعت کر لین گے۔ ترقی ہمیشہ تدریجی ہوا کرتی ہے اور زیادہ بلندی پر چڑھنے والے ایک ہی ایک زینہ طے کیا کرتے ہین۔ وہ سمجھتے ہین کہ مکمل آزادی کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب اس کا مطالبہ زبان سے نہین بلکہ عمل سے کیا جائے اور یہ ظاہر ہے کہ نو آبادیون کی سی آزادی ملنے کے بعد ہم مکمل آزادی سے قریب تر ہو جائین گے اور پھر ہمارا مطالبہ ایک غلام ملک کا سا مطالبہ نہ ہوگا۔ اس لئے مسلمانون کا یہ سمجھنا کہ نہرو رپورٹ کا انتہائی نقطۂ نظر مکمل آزادی نہین ہے، نادرست ہے، بیشک نہرو رپورٹ مین خامیان بھی ہین اور وہ کونسی انسانی کوشش ایسی ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ لیکن وہ تمام خامیان عملی دنیا مین آکر جب قانون اساسی مرتب ہوگا دفع ہو جانے والی ہین۔ البتہ صرف ایک خامی ایسی ہے جس کو اس سے پہلے ہی اصولاً دور ہو جانا چاہئے اور وہ یہ کہ صوبہ کی حکومتون کو بھی مرکزی حکومت

کی طرح آزاد رہنا چاہئے سوائے ان مسایل کے جن مین صرف مرکزی حکومت ہی کا فیصلہ کسی فتنۂ عام کو روک سکتا ہے۔ لیکن مسلمانون کو اس کا مطالبہ انتقام کے خیال سے نہ کرنا چاہئے بلکہ صرف اس لئے کہ اگر صوبہ کی حکومتین آزاد نہ ہونگی تو ملک کبھی ترقی نہین کر سکتا۔

بہر حال اس وقت لیبر پارٹی کے برسر اقتدار ہونے سے اک ضعیف سی امید قایم ہو گئی ہے کہ ممکن ہے اختتام سال تک ہندوستان کو نو آبادیونکی سی حکومت ملجائے، لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو پھر غور طلب امر یہ ہوگا کہ کلکتہ کانگریس کا الٹی میٹم کیونکر کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ ہر چند وہ متفقہ قوت جو اس سے قبل ترک موالات کو کامیاب بنانے مین ظاہر کی گئی تھی اب مفقود ہے اور ایک زمانہ چاہئے کہ کانگریس پھر وہی اعتماد حاصل کر سکے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ سب سے زیادہ کارگر حربہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف ترک موالات اور سودیشی مال کا بائیکاٹ ہے اور اگر ہم لوگ واقعی اس کی اہمیت سے واقف ہو جائین تو تمام مشکلات ایک ہی سال کے اندر حل ہوئی جاتی ہین۔

اس ماہ کی اشاعت مین پہلا مضمون جناب عبد القیوم صاحب رسا کا ہے۔ اس کی اہمیت کے متعلق مین اس کے ابتدا مین اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہون۔ اس مضمون کے آیندہ ابواب مین براہ راست انگلستان اور ہندوستان کے موجودہ تعلق اور اسکے مستقبل پر نہایت ہی مدبرانہ اور دلچسپ بحث کی گئی ہے "سیاسیات" مین ایسے ہی مضامین کی ضرورت ہے اور ہر باشندۂ ہند کا فرض ہے کہ وہ اس نوع کی پختہ کارانہ تنقیدون کو نظر غور سے پڑھے۔

"برہانپور" پر جناب مولوی سید احمد اللہ صاحب قادری کا مضمون بہت محققانہ ہے۔ صاحب موصوف نے حیدر آباد سے ایک رسالہ سہ ماہی "تاریخ" کے نام سے جاری کیا ہے جس کے دو نمبر شایع ہو چکے ہین۔ آپ کا تعلق دکن کے آثار قدیمہ سے ہے اور آپ اپنی عمر کا بڑا حصہ "صنادید عجم" کی تحقیق مین بسر کر چکے ہین۔

"تصوف اسلام پر" مولوی عبد المالک صاحب آروی کا مضمون قابل داد ہے۔ اس کے آیندہ حصہ مین "خواب" کے متعلق بہت کافی اور دلچسپ مواد صاحب موصوف نے پیش کیا ہے۔

"شیطان کی آنت" مسٹر رشید احمد صدیقی ام اے (علیگ) کا عطیہ ہے جس کا وعدہ انھون نے کیا تھا۔ ایک نہایت ہی مختصر سا فسانہ "دیدے بخیر گذشت" سر الکھا ہوا ہے جس کو اگر آپ نے حقیقت نہ سمجھ کر پڑھا تو بے لطفی کی ذمہ داری میرے سر نہ ہو گی

"پرستار محبت" مین جناب محشر عابدی نے اپنے اور افسانون سے زیادہ کامیابی حاصل کی ہے۔ اور "تصویر کی موت" مین نقاشی کے حقیقی معیار کو ظاہر کیا گیا ہے۔

"حصۂ منظومات" مین جناب مولوی سید علی اختر صاحب کی نظم اسقدر بلند پایہ اور الفاظ و معنی دونون لحاظ سے اسدرجہ پاکیزہ ذوق و معیار کی ہے کہ معمولی رسمی الفاظ سے اس کی داد نہین دیجا سکتی۔

روش صدیقی کی نظم "مغنیۂ مصر" اور جناب طالب باغپتی کی نظم "آجا" دونون اپنی اپنی جگہ خوب ہین، در حقیقت یہ ہے

کہ جس نظم میں صحیح جذبات سے کام لیا جاتا ہے، وہ فن کی لغزشوں کے باوجود بھی اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی۔

روش صدیقی کی نظموں میں جو ایک خاص مستانہ پن ہوتا ہے وہ اس میں بدرجۂ کمال پایا جاتا ہے اور جناب طالب نے جا بجا "نقطوں" سے جگہ پُر کرکے اپنی نظم کو بہت کچھ واقعیت سے وابستہ کر دیا ہے اور غالباً یہی سبب ہے کہ اس کے لفظ لفظ سے ایک والہانہ انداز ظاہر ہو رہا ہے۔

نیاز

ایک ادبی و علمی دعوت

جنوری ۱۹۲۸ء کی اشاعت نگار کو مومن کے لئے مخصوص کرکے میں نے اپنے آپکو گویا پابند بنا لیا ہے کہ ہر سال کسی نہ کسی ایسے شاعر کی یاد کو تازہ کیا جائے جس کے مٹانے میں زمانہ نے اپنی پوری قوت صرف کر دی ہے۔

چنانچہ ارادہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء کا "نگار" ابو المظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر کیلئے مخصوص کر دیا جائے اور کم از کم دو سو صفحات کو محیط ہو اس سلسلہ میں جو عنوانات قائم کئے گئے ہیں، یہ ہیں:-

(۱) ظفر کی سیرت اور اس کے عہد کے تاریخی خصوصیات (۲) عہد ظفر کے سیاسیات (۳) ظفر کی شاعری اور اسکی خصوصیات (۴) عہد ظفر میں دہلی کی شاعری (۵) ظفر کی شاعری پر سیاسیات وقت کا اثر (۶) دربار ظفر اور عہد ظفر کے شعراء (۷) ظفر کے عہد میں دہلی کی علمی و ادبی فضا (۸) ظفر رنگون میں (۹) حالی و آزاد کی رائے ظفر کی شاعری کے متعلق اور اسپر محاکمہ (۱۰) انتخاب کلام ظفر۔

امید ہے کہ مُلک کے اربابِ علم و ادب

عنوانات بالا میں سے کسی عنوان پر یا ایک ہی مضمون کے سلسلہ میں ان تمام یا چند عنوانات پر اپنی تحقیقات و معلومات بھیجکر ممنون فرمائینگے۔ انتخاب کلام ظفر کی خدمت ادارۂ نگار نے اپنے ذمہ لی ہے اسلئے اسپر کسی کو وقت صرف کرنیکی ضرورت نہیں۔

اسی سلسلہ میں غالباً یہ عرض کر دینا بے محل نہوگا کہ بہترین مضمون کے لئے نگار کی طرف سے ایک حقیر ہدیہ سو روپیہ کا پیش کیا جانا قرار پایا ہے۔ جو کامیاب مضمون نگار کی خدمت میں ٹھیک ۲۵ جنوری ۱۹۳۰ء کو روانہ کر دیا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ ۳۰ ستمبر ۱۹۲۹ء تک مضامین کا دفتر نگار میں پہونچ جانا ضروری ہے۔

نیاز فتحپوری (ایڈیٹر نگار) لکھنؤ

حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز

اور قبضۂ ہندوستان کی دلچسپ داستان

"سرجان سیلی کی ایک مشہور کتاب (Expansion of England) ہے جس مین انگلستان کی توسیع پر بحث کرکے بہت سے سیاسی، تاریخی اور اقتصادی رموز کو آشکارا کیا ہے۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ ہندوستان سے متعلق ہے جس مین خصوصیت کے ساتھ قبضۂ ہندوستان کی داستان بیان کی ہے (اس) دوسرے حصہ کا ترجمہ ہمارے فاضل دوست جناب عبدالقیوم صاحب رسا (گورکھپور) نے بغرض اشاعت "نگار" کو روانہ کیا ہے جو بالاقساط شایع ہوکر بعد کو کتابی صورت مین پیش کیا جائیگا۔

یہ سلسلۂ مضمون نہایت اہم و دلچسپ ہے اور ہر اس شخص کو جو ہندوستان کا باشندہ ہے اسکا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

ہم جناب رسا کے ممنون ہین کہ انھون نے یہ مفید سلسلۂ مضامین نگار کو مرحمت فرمایا۔ (اڈیٹر)

تاریخ اور سیاست

بعض اوقات لوگ ایسے مورخین کا مذاق اڑاتے ہین جو محض قیاسات کی بنا پر کہتے ہین کہ اگر فلان واقعہ تاریخ مین یون واقع ہوا ہوتا تو نتیجہ کے لحاظ سے اسکا یہ اثر ہوتا۔ لیکن جو لوگ ایسا کرتے ہین وہ غلطی پر ہین کیونکہ انھین معلوم نہین کہ مورخین کو ایسے قیاسات سے اصولی بحث کے لیئے کام لینا ضروری ہوتا ہے۔ میرے خیال مین انھین اور زیادہ آزادی سے اس قسم کی قیاس آرائیون مین حصہ لینا چاہیئے۔ اہم واقعات عامہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ چونکہ وہ اعلی پیمانہ پر ہین اسلیئے اُنکے محرک اسباب روزمرہ کے معمولی واقعات کے محرکات سے غیر معمولی ہونگے صریح دھوکا ہے اور یہی غلط خیال فیصلہ کی تخریب کا باعث ہوتا ہے۔ جب تک تم کسی ملک کی جزوی حکمت عملیون پر غور کرنے سے قاصر رہوگے تم اُسکی قومی حکمت عملی کے متعلق بھی صحیح راے قائم کرنے سے قاصر رہوگے۔ یہ ریمارک توسیع انگلستان جیسے پیچیدہ اور بسیط مسئلہ پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہوتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر انگلستان کے تعلقات دنیائے جدید سے نہ ہوے ہوتے تو ملکۂ الزبتھ کے عہد سے لیکر اسکی پوری تاریخ کس قدر مختلف ہوتی! ہسپانیہ کے جنگی بیڑہ کا وجود کیونکر ہوتا، ڈریک (Drake) اور ہوکنز (Hawkins)

اسکے مقابلہ کے لیئے کہان سے پیدا ہوتے، انگلستان کی بحری طاقت اتنی زبردست کیسے ہوتی بلیک کو وان ٹرمپ اور ڈی رویٹر سے جنگ کرنیکی نوبت کیونکر آتی۔ مجلس عالیہ شوری اور چارلس ثانی کے محاربات ہولینڈ اور کرامول کی جنگ اسپین کیونکر ظہور مین آتی۔ ملک اتنا کثیر سرمایہ جمع کرنے کے قابل ہرگز نہ ہوتا کہ لوئی چہاردہم جیسے بہادر کو نیچا دکھاتا۔ وہ عظیم الشان تجارتی کارپوریشن جو زرعی مفاد کے توازن کا ذمہ دار ہے اور جس نے سلطنت کے سیاسیات کی صورت ہی بالکل بدل دی ہے کیونکر پیدا ہوتا۔ ملکہ این کے عہد مین انگلستان تمام اقوام پر فائق نہ ہوتا اور ہماری اٹھارھوین صدی بالکل بالکل مختلف ہوتی۔ الغرض ہر چیز کی صورت حالات آج سے یک قلم مختلف ہوتی۔ چونکہ قیاسات کا یہ سلسلہ نامتناہی ہے اس لیئے تم انکا مضحکہ اڑا سکتے ہو اور کہہ سکتے ہو کہ ان تمام کوششون کا نتیجہ مفید مطلب نہین ہے۔ مگر پھر بھی یہ قیاسات تمام علمی تجاویز سے زیادہ مفید مطلب ہین۔ اور ان وجوہ سے کہ یہ عظیم توسیع اور جدید ملحقات جو گذشتہ تین صدیون مین قدیم انگلستان کے گرد جمع ہوگئے ہین اسقدر نامناسب نہین ہین کہ اُنسے خالی الذہن ہوکر ملکہ الزبتھ کے عہد کے انگلستان کا تصور نہ کیا جاسکے۔ ہماری سلطنت کا عروج ایک طرح طبعی کہا جاسکتا ہے اور برطانیۂ عظمی بمقابلہ انگلستان قدیم کے ایک توانا اور معمر شخص کی مانند ہے جو ابتدا مین ایک چست و چالاک لڑکا رہا ہو۔ لیکن فرق صرف اسقدر ہے کہ ایسا معمر انسان پھر اپنے عہد طفولیت کو عود نہین کرسکتا ہے اور انگلستان اپنی نوآبادیات اور ہندوستان کو آزاد کرکے اپنی اصلی حالت کو صرف لوٹ ہی نہین سکتا بلکہ لوٹنا ضروری بھی سمجھتا ہے۔ درحقیقت ہم کناڈا کو ایسا نہین خیال کرتے جیسا کہ کنٹ کو، نہ (Nova-Scotia) کو اسکاٹ لینڈ کی طرح، نہ جدید جنوبی ویلز کو ویلز کی طرح اور نہ ہندوستان کو آئرلینڈ کی طرح۔ ہم بہت آسانی کے ساتھ اُنسے علٰحدگی کا خیال کرسکتے ہین اور اگر ہم مناسب سمجھین تو اس علٰحدگی کو نہایت آسانی سے انجام تک پہونچا سکتے ہین بلکہ بہت سے ذی منصب اشخاص تو ایسا کرنیکی فہمائش بھی کرتے ہین۔ بنابرین توسیع انگلستان کے مسئلہ پر کوئی فیصلہ صادر کرنے سے ہم مجبور ہین۔ کیا یہ بھی توسیع ہسپانیہ کی طرح نقش برآب ہی تو نہین ہے؟ کیا یہ توسیع شروع ہی سے یہ ایک خطرناک غلطی تھی کیا یہ ہماری اعلی قابلیت کا بے محل استعمال تو نہ تھا۔ قومین غلطی کرسکتی ہین اور کرتی بھی ہین۔ بسا اوقات کورانہ جذبات یا غلط میلان طبع انکی رہنمائی کرتے ہین اور اگر انکی بے راہ روی زمانہ دراز تک جاری رہے اور انکو ناقابل قیاس حد تک گھسیٹ لیجائے تو اشیا کی فطرت کو اس سے کوئی وجہ تعرض نہین ہے۔ لہذا اب یہ امر بہت زیادہ قرین فہم ہے کہ انگلستان کو شروع ہی سے اس جوع الارض کے مرض کا مقابلہ کرنا چاہیئے تھا۔ اور اسکو اپنی حد سے تجاوز نہ کرنا چاہیے تھا یا کم از کم یہ اسکی خوش قسمتی ہوتی کہ وہ بھی فرانس کی طرح اپنی سلطنت کو کھو بیٹھتا یا یہ کہ جب اُسنے اپنی پہلی نوآبادیات کو کھو دیا تھا تو دوسری کی بنا ہی نہ ڈالتا۔

لیکن اگر ایسا ہو یا ہو سکتا ہو تو بھی ہمارے لئے یہ کتنا عظیم الشان، لاینحل اور اہم مسئلہ ہے۔ اگر ہم اسی طرح

صحیح راستہ سے منحرف ہو گئے ہین یا ابھی ہمکو کسی دوسرے بالکل نئے راستہ مین قدم ڈالنا ہے تو یہ کتنا مہتم بالشان امر ہے! ان مقامی سیاسی مسائل سے جن مین ہماری تمام توجہ جذب رہتی ہے یہ مسئلہ اہمیت مین کس قدر زیادہ ہے! ہم مین بہت سے لوگ ہین جو اپنے پریشان دلائل سے اسکی اہمیت کو بے وقعت کرنا چاہتے ہین اور یہ کہکر اس بحث کو ٹالدیتے ہین کہ ہمین اپنے کام سے کام ہے نہ کہ بعید اور دور دراز ممالک کی گتھی سلجھانے سے جو ہمارے ادراک سے باہر ہین اور بدقسمتی سے ہمارے گلے پڑ گئے ہین لیکن اگر درحقیقت یہ ہماری بدقسمتی تھی یا خود ہماری اپنی سلطنت اتنی بڑی ہے کہ اسی سے ہمکو فرصت نہین ملتی تو ایسی صورت مین یہ مسئلہ اور بھی جلدی اور توجہ کا متقاضی ہے کیونکہ اس وقت ہم قطعی طور سے یہ فیصلہ نہین کرسکتے کہ اپنے آپ کو ایسے گران بوجھ سے جو یقیناً ہمکو مصیبتون مین پھنسائیگا سبکدوش کرین۔ بعد ازان تاوقتیکہ ہم اپنے مدعا مین کامیاب نہ ہو جائین اپنی سلطنت کی تباہی کے بسیط اور نازک مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کافی موقع ملیگا۔ بہرحال یہان ہمارے لئے ہر جگہ سے زیادہ سیاسی امور موجود ہین۔ کیونکہ اگر ہماری سلطنت مزید ترقی کی اہل ہے تو ہمین دریافت کرنا ہوگا کہ وہ ترقی کا کونسا راستہ اختیار کریگی۔ یا اگر ہماری سلطنت ہمارے لئے ناقابل برداشت بوجھ ہے تو پھر اس سے نجات حاصل کرنا بہت ضروری ہے الغرض دونون صورتون مین ہمین ایسی سلطنتون اور نوآبادیات سے عہدہ برآ ہونا ہے جو بڑی سرعت سے بڑھتی جاتی ہین اور انکی قسمت کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔

مین کہتا ہون یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے لیکن کیا اسکو تاریخی نہین کہہ سکتے۔ بیشک میرے پاس اس موضوع پر بحث کرنیکی وجہ صرف یہی ہے کہ اس سے تاریخ اور سیاست کا تعلق زیادہ صحیح طور سے واضح ہوتا ہے۔ میری تمام تقریر کا ماحصل یہی ہے کہ سیاست اور تاریخ مطالعہ کے دو مختلف مناظر ہین۔ مگر عام طور سے سیاست کا مفہوم لوگ قومون اور انکے مصالح کی باہمی جدوجہد سے مراد لیتے ہین اور سمجھتے ہین کہ تاریخ کا مطمح نظر ادبی نمائش ہے جسکی بدولت چند دلچسپ نظم اور نثر کی کتابین تصنیف ہوجاتی ہین حالانکہ یہ دونون مفہوم سراسر بدمذاقی سے منسوب کئے جائینگے۔ اس الجھن کا سبب میرے نزدیک ان دونون فنون کی غیر فطری مغائرت ہے۔ سیاست مین جب تک کہ تاریخ کو آزادی سے دخل نہ ہو بالکل لغو ہے اور تاریخ جبتک عملی سیاست کو نظر انداز کریگی، اسکی حیثیت ادب محض سے زیادہ نہوگی۔ اسی امر کو روشن کرنے کے لیئے مین نے ایک ایسا موضوع اختیار کرنا چاہا جو ہر دو فن کو حاوی ہو اور سوائے "برطانیہ عظمیٰ" کے میری نظر مین کوئی اور موضوع زیادہ موزون نہین معلوم ہوا۔

اس مسئلہ سے بڑھکر اور کون سا مسئلہ سیاسی ہو سکتا ہے کہ "ہمکو ہندوستان اور نوآبادیات کے بارہ مین کیا کرنا چاہیے؟" لیکن یہ سوال ایسا ہے جسمین تاریخ کی امداد کی ضرورت ہے۔ تم یہ نہ سمجھو کہ حقوق آزادی، یا ٹیکس کے خانگی معاملات، کی طرح تم انہین دھوکا دیسکتے ہو۔ کیونکہ یہان معمولی عقل یا عامیانہ واقعات کا تجربہ کسی صحیح رائے قائم کرنے کے لئے کافی نہوگا۔ مثلاً ہندوستان کے معاملہ کے متعلق بغیر خاص معلومات اور مطالعہ کے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہین ہے کیونکہ

ہندوستان کے باشندے جسمانی، دماغی اور اخلاقی تمام حالات مین ہم سے جداگانہ واقع ہوئے ہین۔ دیکھو یہان پر سیاست تاریخ مین کس طرح جذب ہو جاتی ہے لیکن مین اس سے زیادہ، اسی مثال سے، تمھین یہ بتانے کے لیئے بیچین ہون کہ تاریخ سیاست مین کیونکر جذب ہو جاتی ہے اس سلطنت کے قیام کو ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ اگر ہم ان نو آبادیات سے جنھین ہم کھو چکے ہین تعرض نہ کرین اور صرف انھین مقبوضات کو مدنظر رکھین جواب ہمارے پاس موجود ہین تو گویا ہمارے پیش نظر وہ ممالک ہین جو تقریبًا سارے کے سارے جارج ثانی اور جارج ثالث کے عہد حکومت مین فتح ہوے تھے۔ اسی عہد کو طلبۂ عہد جدید سمجھکر چھوڑ دیتے ہین اور یہی وہ عہد ہے جسکو ادنی مورخین نظر انداز کر جاتے ہین۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس اس خاص حصہ کو غیر اہم اور قابل تدبر واقعات سے معرا سمجھتے ہین یعنی اس دور مین تہذیب اور ملکی فلاح مین کوئی نمایان ترقی نہین ہوئی۔ ہمارے مورخین جب اس باب مین قدم رکھتے ہین تو انکا انداز نگارش ادیبانہ ہو جاتا ہے۔ واقعات تو بیان کرتے ہین لیکن بے معنی۔ جس سے خواہ مخواہ پڑھنے والون کے دماغ پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ وہ سمجھتے ہین کہ تاریخ انگلستان ایک کہانی ہے جسکا کوئی نتیجہ نہین۔ اب تم سوچو اس مرض کا کیا علاج ہے۔ مین نے مستقبل کے عظیم الشان واقعات کی طرف تمھارے خیال کو منعطف کیا ہے مگر چونکہ انکا تعلق زمانہ آئندہ سے ہے، ہمین انکی نسبت پوری معلومات نہین ہین البتہ یہ کہہ سکتے ہین کہ وہ واقعات رونما ہو کر رہینگے اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر معمولی ہونگے۔ یہ واقعات انگلستان نو آبادیات اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کی آیندہ ترقی سے پیدا ہونگے۔ مین نے آیندہ کی قید اسواسطے لگائی ہے کہ موجودہ صورت بادی النظر مین یقینی اور ہمیشہ رہنے والی نہین معلوم ہوتی۔ مگر ہم یہ نہین بتا سکتے وہ ارتقا کس قسم کا ہوگا۔ آیا کوئی عظیم انقلاب ہوگا، آیا کناڈا اور آسٹریلیا آزاد ہو جائینگے آیا ہندوستان ہمین چھوڑنا پڑیگا۔ اور کوئی ملکی حکومت جو ابھی وہم و گمان مین بھی نہین ہے وائسراے اور انکی کونسل کی جگہ سنبھالیگی؟۔ یا بالکل اسکے برعکس کچھ اور ہوگا۔ آیا برطانیہ عظمی اس سے بھی اعلی نظام کے ماتحت آجائیگا آیا اہل انگلستان جو متعدد سمندرون کی وجہ سے منتشر ہین موجودہ ایجادات اور تجربات کی مدد سے اضلاع متحدہ امریکہ جیسا کوئی باضابطہ نظام قائم کرینگے جس مین باوجود غیر محدود ملکی وسعت کے پوری آزادی اور اتحاد برقرار رہے۔ یا ہم اس سے بھی زیادہ مشکل عقدہ کے حل کرنے مین کامیاب ہونگے آیا ہندوستان پر حکومت کرنے کا کوئی اطمینان بخش طریقہ ہمین معلوم ہو جائیگا جسکی مدد سے یہ دو مختلف العادات اقوام باہم متحد رہین۔ مین نہین جانتا کہ یہ سوالات کس طرح حل ہونگے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ کسی نہ کسی طرح حل ہونگے۔ اور یہی وہ منزل مقصود ہے جسکی طرف انگلستان گام زن ہے۔ جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے ہمین یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ تاریخ انگلستان مین مزید ترقی و وسعت کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور ہماری موجودہ حالت فلاح و خوشحالی کی اعلی ترین منزل ہے۔ ہر گز نہین گو ہماری رفتار مسابقت اعلی پیمانہ پر ہونیکی وجہ سے محسوس نہ ہوتی ہو لیکن جسوقت انقلابات اور تنازعات ہونگے تو اعلی پیمانہ ہی پر ہونگے۔ اور جب وہ نازک موقع آجائیگا تو ہماری گذشتہ تاریخ صاف طور سے نمایان اور نتیجہ خیز نظر آئیگی۔

وہ تمام حیرت انگیز ترقی اور وسعت جو جارج ثانی کے عہد سے ہوتی آئی ہے اور جسکو پڑھکر ہم متحیر ہوتے ہین، اُسوقت بالکل مختلف طور سے ہمارے دماغ کو متاثر کریگی۔ آج جب ہم کناڈا اور آسٹریلیا کے وسیع ممالک کو دیکھتے ہین تو ششدر رہجاتے ہین لیکن اُنکے متعلق کوئی قطعی راے نہین قائم کرسکتے۔ اسی طرح جب ہندوستان کی فتح کا حال پڑھتے ہین، کہ ایک انگریزی تجارتی کمپنی نے ۲۰ کروڑ ایشیا والون کو مسخر کرلیا تو حیرت زدہ رہجاتے ہین۔ اور کمپنی کو آفرین۔ کہتے ہین۔ مگر ہم کوئی معقول راے نہین قائم کرتے۔ یہ تمام باتین اسقدر تعجب آمیز اور مناسبت سے بعید معلوم ہوتی ہین کہ دلچسپی سے گرجاتی ہین۔ لیکن وقت خود اس معمہ کو حل کریگا اور بتائیگا کہ اس کامیابی مین کیا اصلیت تھی اور کیا نہین! واقعہ ہمکو دکھادیگا کہ اٹھارھوین صدی مین دنیاے جدید پر قبضہ کرنیکی کوشش کیا تھی، آیا اسکا انجام کسی اُستوار سلطنت کے قیام کی صورت مین ظاہر ہوا یا اسکی حقیقت محض غیر مستقل تجارتی سلطنت کی تھی، جو اسپین کی طرح چند دنون مین فنا ہوجانے کے لیئے پیدا ہوئی تھی! آیا ہندوستان مین مشرق ومغرب کے مابین مستحکم اتحاد کے خوشگوار نتیجے ظاہر ہوے یا کلایو اور ہسٹنگز نے ایسی عظیم الشان مہم اپنے سرلی جو ایک صدی کی ظاہری کامیابی کے بعد ناکامی مین ختم ہوجانیوالی تھی؟ زمانہ ہر شخص کو یہ سبق یکسان طور پر بتادیگا۔ لیکن، اگر یہ کوئی مفید شے ہے، تو تاریخ کو مستقبل کی باتین ضرور کسیقدر اشارون مین بتادینا چاہیئے۔ واقعہ کے بعد بلاشبہہ ہم سب ہوشیار ہوجائینگے لیکن تاریخ کا مطالعہ صرف اسی واسطے کیا جاتا ہے کہ وقوع سے قبل ہی ہم کسی واقعہ سے باخبر ہوجائین۔ کیون نہین ہم بھی نوآبادیات اور ہندوستان کی قسمت کے متعلق کوئی راے قائم کرلیتے ہین؟ اسلیئے کہ یہ کوئی ایسا معمولی کام نہین جسکو بلا سوچے سمجھے کردیا جاے۔ اسکے لیئے فن سیاست کے اصول سے واقفیت ضروری ہے۔ جب کوئی واقعہ پردہ غیب سے ظہور مین آئیگا تو بات روشن ہوجائیگی اور ہر شخص کو کم یا زیادہ معلوم ہی ہوجائیگا کہ جو کچھ واقع ہوا ہے اُسکو ہونا ہی تھا۔ اگر ایسا ہے تو فن سیاست کے پڑھنے والون کو صاف صاف نہین تو مجملاً وہ واقعات معلوم ہوجانا چاہئے جو ابھی پردۂ غیب مین ہین۔

کیا یہ ملحوظات ایسے نہین ہین جو انگلستان کی جدید تاریخ کو بالکل نئی روشنی مین پیش کرین۔ مین تمھین بتاچکا ہون کہ سولھوین صدی کے آخر مین انگلستان بالکل ایک نئے راستہ پر قدم رکھ رہا تھا۔ سترھوین صدی مین جو جو ترقیان اس منزل مین ہوئین اور اٹھارھوین صدی مین جو کثیر نتائج رونما ہوے انکی تفصیلی تاریخ بیان کرچکا ہون علاوہ ازین مین نے یہ بھی جتادیا ہے کہ ہماری موجودہ حالت غیر مستقل ہے، اس مین کوئی اہم تبدیلی عنقریب ہونیوالی ہے خلاصہ یہ ہے کہ انگلستان کی تاریخ جدید ہمارے سامنے ایک مشکل سیاسی مسئلہ پیش کرتی ہے۔ دیکھو اس طرح تاریخ سیاست مین جذب ہوتی ہے۔ مین جارج ثانی اور جارج ثالث کے زمانہ حکومت کو تمھارے سامنے اسواسطے نہین بیان کرتا کہ تم قدیم روایات ورسوم کا حال پڑھکر اپنا دل بہلاؤ بلکہ اسواسطے کہ پیچیدہ سیاسی مسائل کے حل کرنے کے لیئے تم مواد اور ضروری سامان فراہم کرو۔ اگر تم یہ دریافت کرنا چاہتے ہو کہ ہماری سلطنت کا حشر کیا ہونیوالا ہے تو اسکے ممد ومعین اسباب وجود

اوران اصول کا مطالعہ کرو جن پر اسکی زندگی کا انحصار ہے۔ اور اگر اسکی نوعیت کا مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو اسکی تاریخ پڑھو خصوصاً ابتدائی تاریخ۔

ایک عرصہ سے رنگینی پسند مصنفین کا خیال ہے کہ تاریخ کا طرز بیان ضرورت سے زیادہ رفیع اور شاندار ہے اور یہ کہ تاریخ مین ہر واقعہ جزئی تفصیل کے ساتھ صاف صاف بیان ہونا چاہئے، غیر مانوس واقعات سے احتراز کرنا چاہئے۔ الغرض اُنکے خیال مین تاریخ اور ناول کا انداز تحریر ایک ہونا چاہئے۔ لیکن مین بھی، اس خیال کے متعلق جو اتنے عرصہ سے قائم ہے، اپنی رائے ظاہر کر دینا چاہتا ہون۔ جس اعتراض پر اس خیال کی بنا ہے مجھے اس سے انکار نہین ہے۔ مجھے اس خیال سے پوری موافقت ہے کہ تاریخ کو "شاندار" اور "ادبی" نہین ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ مین یہ تسلیم کرتا ہون کہ ایک زمانہ تک تاریخ "شاندار" اور "ادبی" رہی ہے۔ لیکن "شاندار" ہونا اور چیز ہے اور اہم ہونا اور چیز۔ وہ طبقہ جو اس خیال کی ہمنوائی کرتا ہے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ چونکہ تاریخ کا طرز تحریر اعلیٰ نہین ہونا چاہئے لہٰذا اسکو "سنجیدہ" بھی نہین ہونا چاہئے۔ اِسکو انکار ہے کہ تاریخ سے ٹھوس اور اہم اصول مترتب ہو سکتے ہین اسکا ذہن اس بات کے تصور سے عاجز ہے کہ تاریخ کی مدد سے بڑی بڑی معلومات بھی حاصل ہو سکتے ہین۔ یہ طبقہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تاریخ کا طرز نگارش دلفریب اور دلکش ہو جسکو پڑھکر پرانی قومون کے قدیم عادات وطریق معاشرت کا نقشہ آنکھون مین پھر جاے اور اُنکے کارنامون کو پڑھکر وہ مبہوت اور حیرت زدہ رہ جائے۔ تھیکرے نے جو لکچر اسٹیلے پر دیا تھا اس مین تمہید ہی مین اُسنے اس طبقہ کے اصول کو بڑی صفائی سے بیان کیا ہے۔ اسکو ہر شخص نے پڑھا ہوگا اور میرے خیال مین بہت تلخ حقیقت متصور کیا ہوگا۔ وہ کہتا ہے تاریخ کے مطالعہ سے ہماری کیا غرض ہے؟ آیا سیاسی معاملات اور مشاہیر کے اطوار سے واقفیت حاصل کرنا یا محض زمانہ کی حقیقت اور حالات سے آگاہ ہونا۔ اگر ہمارا مدعا یہی ہے تو پھر دیانت اور سچائی کہان رہی، کسکو یقین ہے کہ تاریخ بالکل سچ کہتی ہے۔ اسکے بعد وہ کہتا ہے کہ تاریخ مین جس قدر طبقہ عام کے برگزیدہ اشخاص کے متعلق اعلیٰ خیالات ظاہر کئے گئے ہین وہ بالکل لغو ہین کیونکہ اگر اُنکے متعلق نظر تدقیق سے کام لیا جاے تو انمین کا کوئی بھی معیار صداقت پر کھرا نہین اتر سکتا۔ اور بطور استناد کے حوالہ مین سوفٹ کی "خصائل الاثر" اور کاکس کی "سوانح مار لبرو" کو پیش کرتا ہے۔ تاریخ کے متعلق یہ خیال صرف اسی وجہ سے پیدا ہوا کہ لوگون نے قدیم طرز کی ان جیسی تصانیف کو مستند کتب تاریخ سمجھا۔ لیکن اب جبکہ تھیکرے کے قول کے مطابق سیاسی تاریخ بالکل لغو ٹھہری تو پھر اسکی جگہ اور کون سی تاریخ مانی جائے؟۔

تھیکرے کے اس مقولہ کا کیا مطلب ہے کہ تاریخ کی غایت "زمانہ کی حقیقت اور حالات سے واقفیت حاصل کرنا ہے" آگے چلکر وہ خود اسکی تشریح ان الفاظ مین کرتا ہے "جب ہم ٹیٹلر اور اسپکٹیٹر کے دلچسپ مجلدات پڑھتے ہین تو زمانہ گذشتہ کا فوٹو اپنی تمام جزئیات کیساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور وہ انگلستان جو ہمارے آبا واجداد کے وقت مین تھا

صاف صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ عبادتگذار دن سے گرجا بھرا پڑا ہے، قہوہ خانون مین شہر کے ہر گوشہ سے لوگ سمٹ سمٹا کر چلے آرہے ہین، عورتین کھلونون کی دوکانون کو ہر طرف سے گھیرے کھڑے ہین، شارع عام پر راہگیرون کی چیخ و پکار سے عجب چہل پہل معلوم ہوتی ہے"۔ غرضکہ اسی قسم کی معاشرت کا نقشہ کھینچتے ہوے مورخ مذکور کہتا ہے" ان حکایات مین ان تصانیف سے جنکو حقیقت پر مبنی ہونے کا دعوی ہے، زیادہ واقعیت اور صحت ہے۔ زمانہ کے حالات کا جتنا پتہ ان کتب افسانہ سے چلتا ہے اتنا سنجیدہ "تاریخ سے نہین۔ اور جو لطف ان افسانون کے پڑھنے مین آتا ہے کسی تاریخ کے مطالعہ سے آسکتا ہے؟"

اگر کوئی افسانہ نویس ایسا خیال ظاہر کرے تو عین مناسب ہے۔ جب بریڈ کے مشہور انجینر سے کسی نے سوال کیا کہ دریا کسلئے پیدا کئے گئے تو اُس نے برجستہ جواب دیا "تاکہ نہرون مین پانی پہونچائین" اور تھیکرے سے جب پوچھا گیا کہ "ملکہ این کی زندگی کا کیا مقصد تھا اور ڈیوک مارلبرے کے عہد حکومت مین اہل انگلستان نے فرانس سے کیون جنگ کی تو اُسنے بڑی صفائی سے کہا "تاکہ مین اپنا دلچسپ ناول، اسمنڈ لکھون" درحقیقت اسکا اپنا یہی خیال تھا لیکن اس مسخرے کو یہ کہنے کی جسارت کیونکر ہوئی؟ تم نے دیکھا وہ کس بیباکی سے ہمین شک و شبہ مین پھنسانا چاہتا ہے اسکو انکار نہین کہ تاریخ بشرطیکہ صحیح ہو از بس اہم ہوگی۔ اسکا قول ہے کہ تاریخ مین کبھی صداقت آ نہین سکتی۔ اور اسکو تاریخ کے ایک لفظ پر یقین نہین ہے۔

اس صورت مین ہمارے لئے کیا چارہ کار ہے۔ کیا ہم تھیکرے کی نصیحت پر عمل کرین۔ آیا تاریخ کو ایک مفید اور سنجیدہ قابل مطالعہ فن سمجھنے کی بجاے محض ایک تفریح طبع کا سامان سمجھین، آیا محاربات یوروپ سے بے اعتنا ہو کر پریوشان نازک خرام کی سیر کا تماشہ دیکھین یا اپنے قدما کے طرز حکومت کا مطالعہ کرنیکے عوض انکے اسباب معیشت کی بہتات اور رنگینی کو دیکھکر خوش ہون۔ اگر تم غور کروگے تو تمھین ایک نیا راستہ نظر آئیگا جو سراسر دوسری سمت کو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تاریخ ناقابل اعتماد اور غلط ہے جیسا کہ کسی زمانہ مین تھی تو تم اس مین ترمیم و تنسیخ کرو اسکو صحیح اور اغلاط سے پاک کرنیکی کوشش کرو۔ کوئی وجہ نہین کہ یہ ناممکن ہو۔ تاریخ کا غالب حصہ تو ان ملوثات سے پاک ہے البتہ دور جدید کے چند ابواب باقی ہین۔ لوگون کو عام طور سے معلوم نہین کہ تاریخ مین کیا کیا اضافہ ہوا ہے۔ تاریخ پر جو بیجا اور مہمل اعتراضات آج اُسکے ناقابل اعتماد ہونے پر کئے جاتے ہین کسی زمانہ مین حق بجانب اور معقول تھے۔ لیکن آج اسکا غالب حصہ واقعیت پر مبنی اور صحیح ہے، اس سے سیاسی اصول بآسانی مستنبط ہوسکتے ہین۔ تاریخ جیسی اب شاندار ہے کبھی نہین تھی بلکہ شروع سے آخر تک حد درجہ سنجیدہ۔ اب یہان پر پھر تمھارے آگے دو کام ہین پہلا یہ کہ بجاے تھیکرے کے قول پر عمل کرنیکے تاریخ کو زیادہ اہم اور پر از غوامض سمجھو دوسرا یہ کہ اسکو واقعیت اور صداقت سے معرا سمجھکر چھوڑ نہ دو بلکہ دقت نظر اور محنت سے اُسکی تحقیق و تفتیش کرو۔ ——— اگر تاریخی صداقت قابل حصول فرض کر لی جائے تو پھر اس کی رفعت اور اہمیت مین کسی کو کلام نہین ہوسکتا۔ تاریخ کے صفحات، مہتم بالشان واقعات عالم، سلطنتون کے اسباب عروج و زوال، جنگ اور امن کی داستانون اقوام انسانی کی خوشحالی اور آفات کے واقعات سے مملو ہین۔ یہی وہ باتین ہین جنکی رعایت سے

مین تاریخ کو سیاست مین جذب کرنیکی کوشش کر رہا ہون۔ مین تم سے کہتا ہون کہ انگلینڈ کی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ اسکے مستقبل کا مطالعہ ہے جب تم اپنے ملک کی تاریخ پڑھتے ہو تو تمھارے پیش نظر ملک کی فلاح و بہبود، اور بحیثیت ایک شہری بننے کے تمھاری تنہا غرض وہی ہوتی ہے۔ اس نکتہ کو واضح کرنے کے لئے مین تمھارے سامنے توسیع انگلستان، کا مضمون بیان کرونگا۔ کیونکہ مسئلہ ان تمام سیاسی مسائل سے جن پر تمھین اپنی زندگی مین غور و فکر کرنے کا موقع ملا ہوگا، زیادہ نازک اور اہم ہے اور اسی پر ہمارے مستقبل کا دار مدار ہے۔ اسکی چھان بین اور تدقیق کیلئے تاریخ انگلستان جدید سے کمال واقفیت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ، جیسا مین نے بیان کیا ہے، انگلینڈ گذشتہ تین صدیون سے برابر برطانیہ عظمی کی توسیع مین مصروف رہا ہے۔ لہذا اگر تم برطانیہ کے مستقبل کا اجمالی نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو انگلینڈ کی گذشتہ تین صدیون کی تاریخ پر عبور حاصل کرو۔ جون ہی تم نے تحقیقات کی غرض سے مسائل ہند اور نوآبادیات پر عقل سلیم سے غور کرنا شروع کیا، ایک سوال کے بعد دوسرا سوال، ایک سلسلہ کے بعد دوسرا سلسلہ تمھارے سامنے آتا جائیگا یہان تک کہ ان دو سوالات کے ساتھ تاریخ انگلستان کے دور جدید کی تمام کڑیان تمکو منسلک نظر آنے لگین گی۔ تاریخ انگلستان پر عبور حاصل کرنے کا یہی واحد اور بہترین طریقہ ہے۔ کیونکہ تاریخ مین حکایات کو اشکال و مسائل کا جامہ پہنانا ہی اصل چیز ہے جب تک تم فن تاریخ کو محض تاریخی حکایات نویسی تصور کروگے تم ادبی معنی آفرینی کی حد سے آگے نہین بڑھ سکتے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لوگ حقائق پسند ہین انکی نظرون مین تاریخ بے وقعت اور بے اعتبار ہو جائیگی۔ واقعہ نگاری کے طلسم کو توڑ دو اور حکایات کو عملی سوال کی صورت مین اپنے سامنے رکھو، پھر دیکھو کہ تمھارے دماغ کا رجحان کسقدر انوکھا ہے۔ تمھاری حیثیت اسوقت ایک لائق محقق کی ہوگی نہ کہ لٹریری مورخ کی۔ اس مقام پر پہونچکر انگلینڈ کی تاریخ جدید دو حصون مین منقسم ہو جاتی ہے، پہلا حصہ نوآبادیات کا مسئلہ اور دوسرا ہندوستان کا۔

علاوہ ازین وہ اسباب جنکی بنا پر متمدن ممالک مین مطالعہ تاریخ ناگزیر ہے، انگلستان مین ساری دنیا سے قوی تر ہین ہماری قوم کی عالمگیری نے انگریزی سیاست مین حیرتناک پیچیدگی اور مشکل پیدا کر دی ہے۔ میرے خیال مین دنیا کی کسی اور سلطنت مثلاً فرانس، جرمنی، امریکہ کو باستثنائے روس ایسے پر پیچ معاملات سے سابقہ نہین پڑا جیسے کہ انگلینڈ کو۔ انمین کی بعض سلطنتین گو متعدد اندرونی ریاستون سے مرکب ہونیکی وجہ سے وسیع ہین لیکن وہ سب بایکدگر پیوستہ ہین اور ان پر غنیم کا حملہ صرف مقامی ہو سکتا ہے۔ اس صورت مین انکی تمام فوج شہریون سے ہی مرتب ہوتی ہے۔ لیکن جس سلطنت کے زیر نگین دور دراز کے بھی ممالک ہون اُسکی پیوستگی متزلزل ہو جاتی ہے اور قومی مصالح کی پیش بینی اور تحفظ نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہماری نوآبادیات منتشر ہین۔ دشمن ہم پر نہایت آسانی سے حملہ کر سکتا ہے۔ اگر ہم امریکہ سے برسر پیکار ہون تو سمجھو کہ محاذ جنگ کناڈا ہوگا اور اگر روس سے تو افغانستان۔ لیکن یہ بیرونی خطرات، ان اندرونی مشکلات سے جنکے ایک منتشر الاجزا سلطنت مین ہر وقت رونما ہونیکا ڈر لگا رہتا ہے کم قابل اندیشہ ہین۔ ان تمام ممالک کو

جو نصف کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے ہوں، اگرچہ انکے باشندوں کی قومیت اور خون ایک ہی ہو، متحد الخیال کرنا کوئی آسان کام ہے!۔ مگر بدقسمتی سے انگلستان کی مصیبت کی انتہا یہی نہیں ہے۔ نوآبادیات کے علاوہ ہندوستان بھی ہماری سلطنت کا ایک جزو ہے جہان کے باشندے نہ ہمارے ہم قوم نہ ہم مذہب۔ یہان تو سرے سے وہ بات ہی غائب ہے جس پر ترک وطن اور قیام نوآبادی کی بنا ہوتی۔ یہ مسئلہ نوآبادیات کے مسائل سے بھی زیادہ شکل، بسیط اور مایوس کن ہے۔ کیا کسی تنہا قوم کے لئے بیک وقت دو ایسے گران بار کا سنبھالنا اسکی طاقت اور ہمت سے باہر نہین ہے؟

تم خود سوچو ان دونون متضاد مسئلون کا اثر عوام کے دماغ پر کسقدر مختلف ہوتا ہے۔ نوآبادیات مین ہر چیز نئی اور تازہ ہے جو قومین وہان آباد ہین اُنکے لئے ترقی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ نہ انکا ماضی ہے نہ کوئی ناپید الکنار مستقبل، حکومت اور ملکی مجالس ہر چیز مین انگریزی رنگ ہے۔ آزادی، صنعت و حرفت، ایجادات اور انقلابات کے باوجود وہان امن و سکون ہے برطانیہ عظمی کا دائرہ اگر صرف نوآبادیات تک محدود ہوتا تو باوجود غیر متناہی وسعت سلطنت کے ہم اسکے امور سمجھ سکتے تھے کیونکہ اس صورت مین تمام ترکیبی ممالک قومیت و مذہب مین متجانس ہوتے۔ مگر اس برطانیہ عظمی کے علاوہ ایک دوسرا برطانیہ بھی ہے جو اس سے رقبہ مین تو چھوٹا ہے مگر آبادی کے لحاظ سے بڑا ہے۔ ہندوستان مستقبل سے معرا سرتاپا ماضی ہی ماضی ہے۔ عقلمند سے عقلمند شخص بھی ہندوستان کے مستقبل پر غور کرنے سے ڈرتا ہے۔ لیکن جب اُسکے ماضی پر نظر ڈالتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ اُسکے بیشمار سلسلے طلسم آمیز قدامت مین جاکر غائب ہوجاتے ہین۔ تمام قدیم مذاہب اور رسوم و عادات گڈمڈ ہوکر ایک خاصا معجون مرکب ہوگئے ہین۔ جن مدارج تمدن کو یوروپ اور دنیاے جدید طے کرچکے ہین، ہندوستان ابھی ان سے گذر رہا ہے۔ باطل اور اوہام پرستی، مکارانہ مذہبی پیشوائی آج تک جاری ہے۔ مسئلہ تقدیر پر ایمان اور مستبد مطلق العنانی جیسی قدیم زمانہ مین تھی آج بھی ہے۔ وسط ایشیا کے ریگستانون کے رہنے والے ترک و تاتاری شمالی سرحد کو اپنے حملون سے آے دن دھمکیان دے رہے ہین۔ اسطرح سے ایک ہی قوم جو ایک طرف تو کرۂ ارضی کے مستقبل کی مالک بنتی ہے اور یوروپ اور دنیا جدید کے مابین خط نصف النہار کی حیثیت رکھتی ہے، دوسری طرف بعید اور بے پایان ماضی کے سمندر مین قدم ڈالتی ہے اور شاہان مغلیہ کو تباہ و برباد کرکے فاتح ایشیا کے لقب سے ملقب ہوتی ہے!

ایک ہی قوم دو متضاد پالیسی پر بغیر حیرانی کیونکر عمل کرسکتی ہے۔ ایشیا مین مستبد اور آسٹریلیا مین جمہوری حکومت کیونکر ہوسکتی ہے۔ ایک ہی وقت مین مشرق مین تو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی طاقت اور ہزارون تبکدون کی جائداد کی محافظ ہو اور مغرب مین آزادی خیال اور روحانی مذہب کی زبردست حامی بھی ہو وسط ایشیا مین تو روس کے مقابلہ کے لیئے ایک بڑی فوجی امپیریلزم کی حیثیت سے کھڑی ہو اور دوسری طرف کوئنس لینڈ اور منی ٹوبا کو آزاد نوآبادون سے بھرتی ہو۔ آغاز آفرینش سے آج تک کسی قوم کو ایسی ذمہ داریون سے سابقہ نہین پڑا ہوگا۔ کبھی ایک قوم کے فیصلہ پر کرۂ ارضی کے تمام حصص کے اتنے متعدد اور وسیع مسائل کا انحصار نہ ہوا ہوگا اور وہ مسائل بھی ایسے جو خاص لیاقت اور تعلیم کے

متقاضی ہون۔ تاہم یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس قوم کو اس ذمہ داری کا احساس کم ہے۔ یہ نوآبادیات اور ہندوستان کے مسائل کا مطالعہ نہین کرتی، انکو قابل توجہ نہین سمجھتی تاوقتیکہ یہ سیاسی حیثیت نہ اختیار کرلین۔ جب کسی وزارت کی قسمت کا معاملہ درپیش ہوجاتا ہے تو یہ مسائل حد درجہ قابل توجہ ہوجاتے ہین لیکن عوام انکو اسوقت تک لائق توجہ نہین سمجھتے جب تک کہ ہندوستان کی تمام آبادی کی قسمت جو کرہ زمین کے ایک وسیع خطہ پر پھیلی ہوئی ہے اور خود انگلستان کا مستقبل معرض بحث مین نہ آجائین۔ ہندوستان کے متعلق میکولے لکھتا ہے "ہر انگریز سے جسے تاریخ کے کسی حصہ سے بھی دلچسپی ہے یہ توقع کرنا بیجا نہ ہوگا کہ وہ اس بات کو دریافت کرنے کے لئے بیچین ہو کہ معدودے چند انگریزون نے بہت تھوڑے عرصہ مین دنیا کی ایک عظیم الشان سلطنت کو کیونکر فتح کرلیا، تاہم اگر ہم سخت غلطی پر نہین ہین تو یہ مضمون اکثر ناظرین کی نظرون مین صرف مہمل ہی نہین بلکہ قطعاً پھیکا اور بے لطف ہے"

تسخیر ہندوستان اس توسیع کا ایک جزو ہے جس نے گذشتہ دو صدیون مین ہماری حالت کو اس شدت سے بدل دیا ہے اسکی تشریح آیندہ لکچرون مین کیجائیگی۔

باقی ——— باقی

عبدالقیوم رسا

بنگالی ناولون کے ترجمے

بنگالی دلھن ایک نئی دلھن کے پُرحسرت ارمان شوہر سے جدائی کی تکالیف نیک نیتی سے استقلال اور وفاداری کی تصویرین اسکی سلامت زبان دانی عبارت وغیرہ قابل دید و داد ہے۔ ۱۰/

پرتاب ایک تاریخی ناول غدر ۱۸۵۷ء کا سنسنی خیز واقعہ نہایت پیچدار طریقہ سے لکھا گیا ہے جسمین درد عشق کوٹ کوٹ کر بھرا ہے طرز بیان دنیا سے نرالا ہے عشق حقیقی و مجازی کے ایسے دلکش و روشن پہلو دکھائے ہین کہ دیکھکر دل پر ایک گہرا اثر پڑتا ہے۔ ۱۰/

مرنالنی عورتون کی وفاداری پر بحث عبرت و نصیحت کا خزانہ ۸/

اردو مرثیہ کی کتابین

کلیات مراثی مرزا دبیر یعنی مرزا سلامت علیصاحب دبیر ہر دو جلد ۸/
کلیات مراثی میر انیس مضمون آفرینی زبان فصاحت بلاغت غرض کوئی بات ایسی نہین جو اس باکمال کے کلام بلاغت نظام مین نہین پائی جاتی کامل ہر چہار جلد۔ .... للعہ
کلیات مراثی میر ضمیر یعنی کلام بلاغت نظام میر مظفر حسین صاحب تخلص بہ ضمیر استاد جناب مرزا سلامت علیصاحب دبیر۔ سعہ
مجموعہ مراثی مرزا دلگیر مرزا صاحب موصوف نہایت پرگو اور مشہور مرثیہ گوؤن مین سے گزرے ہین کامل ہر سہ جلد .... (ے)

"منیجر نگار"

تصویر کی موت

مین نے ایک عرصہ تک فن مصوری کے قیمتی آثار کی تلاش مین سارے زمانہ کی خاک چھانی اور میرے پاس قدیم وجدید مصوری کے عجیب وغریب نادرالوجود نمونون کا انبار جمع ہو گیا۔ آخرالامر میرا گذر ہندوستان مین ہوا۔ اُس سرزمین مین جو کسی وقت حیرت و اسرار کا مخزن اور فنونِ جمیلہ کا سرچشمہ تھی اور جو ابتک دنیا کی نظرون سے پوشیدہ گمنامی کی حالت مین پڑی ہوئی ہے پہلے پہل مجھے لوگون کی زبانی معلوم ہوا کہ یہان اس فن جمیل کے آثار کی تلاش بیسود ہے۔ اور مجھے چند ناقص بھدی رنگین تصویرون کے نمونے بتلا کر کہا گیا کہ یہان صرف اس قسم کی تصویرین دستیاب ہو سکتی ہین۔ لیکن ایک شوقین محقق آثار کی حیثیت سے مین نے اس ملک کا گوشہ گوشہ شمال سے جنوب اور مشرق سے غرب تک چھان مارا اور مطمئن ہون کہ مین اپنے مقصد مین ایک حدتک ضرور کامیاب ہوا کیونکہ اب میرے پاس یہان کی رنگین تصاویر، سنگین، برنجی۔ اور ہاتھی دانت کی منقش اشیا کی ایک قابل قدر تعداد جمع ہو چکی تھی۔

اس آوارہ گردی کے سلسلہ مین ایک مرتبہ میرا گذر سہارنپور کے قریب ایک گاؤن مین ہوا جو سوالک کی پہاڑیون سے کچھ دور واقع تھا۔ یہان مجھے ایک فقیر کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ ان پہاڑیون کے درمیان ایک غار مین رہتا ہے جسکی قیام گاہ عجیب وغریب پُر اسرار طلسمی تصاویر سے بھری پڑی ہے اور جسکی وجہ سے لوگ اُسے دیوانہ سمجھتے ہین۔ دوپہر کو کھانے سے فارغ ہو کر مین نے ایک رہنما کو ساتھ لیا اور اُس فقیر کی قیام گاہ کو روانہ ہوا۔ پُرپیچ ناہموار راستون سے گذرتے ہوے ہم لوگ ایک کھلے ہوے مقام پر پہونچے جو چارون طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیون سے گھرا ہوا تھا۔ یہ تنہا مقام سڑک سے بہت دور واقع تھا اور یہین ایک پہاڑی مین وہ غار نظر آتا تھا جو فقیر کا مسکن تھا۔ اسکے دہانہ پر ایک زبردست دروازہ پتھرون کو تراش کر بنایا گیا تھا جس پر طرح طرح کے بیل بوٹے اور نقوش کندہ تھے ہمارے قریب پہنچنے پر وہ شخص جو دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہو گیا۔ یہ ایک بلند قامت ضعیف شخص تھا جسکی داڑھی سینہ پر پھیلی ہوئی تھی اعضا نہایت متناسب۔ رنگ گورا اور آنکھین روشن تھین جسم پر فقیرون کا سا گیروا لباس تھا۔ مین نے اُسے جا کر سلام کیا۔ جسکا جواب دیکر وہ پھر خاموشی سے ہماری طرف دیکھنے لگا۔ مین نے اُس سے مخاطب ہو کر اپنی ٹوٹی پھوٹی اُردو مین جو مین اپنے پنج سالہ قیام ہند مین سیکھ سکا تھا کہا "باباجی۔ ہم آپ کی عجیب وغریب تصویرون کی خبر سن کر آئے ہین کیا آپ ہمین دیکھنے کی اجازت دینگے؟"۔ اُسکی آنکھین فخریہ انداز سے چمکنے لگین۔ اور اُسنے کہا کہ ہان صاحب۔ آئیے اور شوق سے ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ کہکر وہ مجھے غار کے اندر لیچلا۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا جس مین کئی طرف دروازہ تھے اور جابجا ستون نصب کئے گئے تھے۔ اندرونی چھت بہت بلند تھی۔ اور کمرہ مین

ہرطرف اُجالا تھا - ایک طرف چارپائی بچھی ہوئی تھی اور کونے مین پیتل کے چند برتن رکھے ہوئے تھے - چارپائی کے نیچے ایک ٹوکری تھی جس پر کپڑا پڑا ہوا تھا - دیوارون پر چارون طرف چھوٹی بڑی تصویرین آویزان تھین -

"کیا آپ مصور ہین ؟"

"جی ہان - میری خواہش ہے کہ مین مصور ہون لیکن ہمارا فن آپکے فن سے بالکل جدا ہے"

مین دیوار کی آویزان تصویرون کو نہایت دلچسپی سے دیکھنے لگا اور بہت جلد اُنمین محو ہو گیا - کچھ رنگین تصویرین جو قدیم نقاشی کا بہترین نمونہ تھین اب تک اچھی حالت مین تھین - انکی دلاویز رنگت کی تازگی اور چمک دمک مین کوئی فرق نہ آیا تھا - بعض بعض تصویرون کی حسن صنعت اور کمال تشابہ سے برش کی ہلکی رنگ آمیزی کی شان ہویدا تھی لیکن اکثر مین تناسبِ اعضا کی بجائے اظہار جذبات کی خوبیان صاف جھلک رہی تھین - جا بجا مہاتما بُدھ کے مختلف عہدہائے حیات - ہندو علم الاصنام - اور عہد مغلیہ کی تصویرین آویزان تھین - جو زبانِ حال سے اس سرزمین خواب کی روح معاشرت - تاریخ اور مذہب کی داستان سنا رہی تھین - اور اُس زمانہ کے علوم و فنون کا مظہر تھین جبکہ باقی دنیا مین جہالت کی تاریکی مسلط تھی - مجھے رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا کہ آخر اس سرزمین کے گم گشتہ خزانے کس قعر گمنامی مین پڑے ہونگے ؟ افسوس اسکا علم نہ تو اُسکے فرزندون کو تھا اور نہ فاتحین کو - صرف حسن اتفاق میرے سوال کو صدائے بازگشت کی طرح دُہراتا تھا کہ "آخر کہان ؟" بلاشبہ ان مین سے کچھ تو دنیا کی نظرون سے پوشیدہ اس فقیر کے نگارخانہ مین موجود تھے - لیکن باقی ماندہ کا انکا کچھ پتہ نہ تھا - یکایک میری نظر ایک بڑی سی تصویر پر پڑی جو دروازہ کے سامنے دیوار پر سب تصویرون کے اوپر کچھ بلندی پر ٹنگی ہوئی تھی اور جسپر ڈوبنے والے سورج کی شعاعین پوری طور پر پڑ رہی تھین - یہ ایک حسین عورت کی تصویر تھی جسکی آنکھین پتھرائی ہوئی تھین اور دلِ مردہ تھا - آنکھین نیم باز - پتلیان سفید - اور چہرہ زردی مائل جسپر مُردنی چھائی تھی - قد زیبا سے طمانیت برستی تھی - اور عنابی ہونٹ بالکل پھیکے نظر آتے تھے سر کے لانبے لانبے لہراتے ہوئے نرم بال جن مین شاید مصور نے کمال صنعت و چابکدستی سے کام لے کر موئے قلم سے ایک ایک کر کے کھینچا تھا دونون شانون پر پڑے ہوئے تھے اور خد و خال سے عجیب حسن و رعنائی کی شان ہویدا تھی - لیکن افسوس یہ حُسن بے روح اور اُسکی رعنائیان بے کیف تھین - تصویر کا فریم چکنے ہاتھی دانت کا تھا جسپر طلائی میناکاری کی گئی تھی - مین حیرت سے حسن و جمال کے اس رنگین مرقع کی طرف دیکھنے لگا جسپر موت کی رنگ آمیزی کی گئی تھی اور جو غار کی تاریک دیوار پر نمایان طور پر نظر آ رہی تھی - اتنے مین کسی کا ہاتھ میرے شانہ پر پڑا - مین چونک پڑا مڑ کر دیکھا تو فقیر پاس ہی کھڑا نظر آیا - اُسنے مجھے متحیر دیکھ کر کہا "صاحب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس تصویر سے بہت دلچسپی لے رہے ہین - شاید آپکو یہ سن کر اور تعجب ہو گا کہ اسکے ساتھ ایک دلچسپ واقعہ کی یاد وابستہ ہے اگر آپ سننا چاہین تو مین بخوشی سنا سکتا ہون"

مین ہمہ تن شوق و التجا ہو کر اُسکی طرف دیکھنے لگا - اب سورج کی افسردہ کرنون سے غار مین ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا

اور سفید فریم کی وجہ سے تصویر اور بھی بھیانک نظر آ رہی تھی۔ اسنے کہا۔ میرے کمزور ہاتھ ضعیفی سے کانپتے ہین۔ ذرا آپ بڑھ کر اپنے مضبوط و توانا ہاتھون سے اس تصویر کو اُتار لین تاکہ مین غار سے باہر اُسے مدھم روشنی مین دیکھ کر اس واقعہ کو اچھی طرح بیان کر سکون“ مین نے دیوار سے تصویر کو اُتارا اور پلٹ کر دیکھا تو اسکی پشت پر ہاتھی دانت کی لوح نظر آئی جیپر باریک حرفون مین کچھ عبارت کندہ تھی۔ فقیر دروازہ کے پاس ایک بیش قیمت ایرانی قالین بچھا کر بیٹھ گیا اور مجھے پاس ہی ایک اسٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُسنے میرے ہاتھ سے تصویر لیلی اور اس طرح اپنا قصہ شروع کیا۔

”میان۔ جب تمھاری طرح نوجوان تھا تو دربار دہلی مین نقاشی کی خدمت پر مامور تھا۔ مین تصویر کشی کے علاوہ فنونِ جمیلہ کے نوادرات جمع کرنے کا بھی از حد شایق تھا۔ چنانچہ اسی دھن مین مین نے اس ملک کی خوب سیاحت کی اور یہان کے گوشہ گوشہ سے تصاویر بہم پہنچائین۔ آخر الامر میرا گذر اس ملک مین ہوا جو وندھیاچل سے آگے واقع ہے۔ جہان مجھے عہد قدیم کی ایک خوشنما شاہی عمارت کی خبر ملی جو شکستگی کی حالت مین تھی اور جو کسی زمانہ مین اُس عالی نسب خاندان شاہی کے زیر نگین تھی جس کے چند نام لیوا دست برد زمانہ کے ہاتھون تباہ و برباد ہو کر نہایت غربت سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک روز شام کے وقت مین اُسے دیکھنے گیا۔ باوجود اس ویرانی و شکستہ حالی کے عمارت نہایت خوبصورت نظر آتی تھی۔ مین نے اُسکے کمرون اور برآمدون کی خوب سیر کی اور اسکے دروازون کی ہلالی ساخت۔ اُنکے دلکش نقش و نگار۔ اور بیل بوٹے۔ مصفّا ستونون کی گلکاریان۔ دریچون کی نفیس جالیان۔ قبون کی خوشنمائی۔ اور اندرونِ گنبد کی رنگ آرائی دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ گھومتے گھومتے مین ایک چھوٹے سے صحن مین پہنچا جسکے درمیان سنگ مرمر کا چھوٹا سا مندر بنا ہوا تھا جو حسنِ صنعت و کمالِ فن کا بہترین نمونہ تھا اور منہدم و شکستہ آثار کے درمیان کمال حسن و رعنائی سے قایم تھا۔ مین اسکے اندر داخل ہوا اور دریچون اور محرابون کو دیکھنے لگا۔ ناگاہ میری نظر بلند طاق پر رکھی ہوئی ایک مربع شئے پر پڑی جو نکلی ہوئی کارنس کے نیچے صاف نظر نہ آتی تھی۔ میرے دل مین اُس شئے کو معلوم کرنے کے لئے سخت خلش پیدا ہوئی۔ چنانچہ مین چند بڑے بڑے پتھرون کو ایک دوسرے پر رکھ کر اوپر چڑھا اور اُسے نیچے اُتار لایا گرد و غبار کو صاف کیا اور اُسے پلٹ کر دیکھا کیونکہ غبار آلود حصہ کسی تصویر کے فریم کا پچھلا حصہ تھا۔ میرے جسم مین حیرت و استعجاب کی برقی لہر دوڑ گئی یہ ایک حسین عورت کی تصویر تھی جو میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اُس پیکر جمیل کا بیان کن الفاظ مین کیا جائے۔ اُف۔ وہ اُسکا حسن و جمال اور اشتیاق آگین نگاہین! جسم کی رنگت ایسی دلآویز کہ قدرتی ہونے کا گمان ہو۔ لانبے لانبے سیاہ بال جو تاریکی مین رات کا مقابلہ کرتے تھے ریشمی لچھون کی طرح دونون شانون پر بکھرے ہوے چہرہ کے حسن اور رخسارون کی لطیف سرخی کو اور نمایان کر رہے تھے۔ لب ہائے لعلین سے تکلم کی شان پیدا تھی۔ غرضکہ ہر چیز اصل سے اسقدر مشابہ تھی کہ مین اس کاغذی پیکر کو زندگی سے معمور دیکھ کر حیران رہ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تصویر کی آنکھون سے رنج و حرمان کے آثار ناپید ہو گئے اور اُنکی جگہ امید نے لیلی! اور آنکھین

فرطِ مسرت سے چمکنے لگیں! میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ مین نہین کہہ سکتا کہ اُسوقت مجھپر کونسی کیفیت طاری تھی مسرت وشادمانی کی یا خوف وہراس کی۔ بلاشک کسی زندہ عورت کی روح ان کنول جیسی خوبصورت آنکھون سے دیکھ رہی تھی! مین بہت متاثر ہوا اور شام ہوتے ہوتے تصویر کو لیکر گھر پہنچا۔

مین تنہائی مین گھنٹون اُسکی طرف غور سے دیکھتا اور اُسکے متعلق طرح طرح کے نظرئے قایم کرتا۔ رفتہ رفتہ وہ میری انیس خلوت بن گئی مین اُسکے چہرہ سے ٹپکنے والے محبت آگین جذبات کا نہایت شوق سے مطالعہ کرتا۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ تصویر سے بالکل انسانون کی طرح حرکات سرزد ہوتی تھین۔ کبھی اُسکی آنکھین یاس وغم سے دھندلی پڑجاتین۔ کبھی مسرت وامید سے چمکنے لگتین اور کبھی رنج وحرمان سے تاریک نظر آتین۔ رات کو مین اُسے اپنے پلنگ کے بازو میز پر ریشمی تکیہ سے ٹکا کر رکھ لیتا۔ اب مین خود اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کرنے لگا اور اُسوقت سے میری تصویرین پہلے کی بہ نسبت زیادہ خوبصورت اور دلکش بننے لگین۔ لیکن مین بیچین تھا۔ اُسکی سحر کارانہ قوت کا راز مجھ پر نہ کھلا۔ یہانتک کہ عاجز ہوکر بارہا مین نے اُسے اپنے سے جدا کرنے کا ارادہ کرلیا لیکن ہر تبہ کسی نہ کسی وجہ سے اس ارادہ کو ملتوی کرنا پڑا۔ اس طرح چند ماہ اور گذرے۔ میرے کمال کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ ایک دن میری طلبی ایک راجہ کے دربار مین ہوئی۔ جب مین وہان پہنچا تو سنگ مرمر کے وسیع برآمدہ مین اسکے سامنے پیش کیا گیا۔ مین اپنی تصویرون کے ساتھ اُس تصویر کو بھی لیتا آیا تھا۔ جب مین ایک ایک کرکے اپنی تمام تصویرین دکھلا چکا تو سب سے آخر مین اُس تصویر کو نکال کر راجہ کے حضور مین پیش کیا۔ جیسے دیکھتے ہی پہلے تو وہ حیرت سے میرے منہ کو تکنے لگا پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا "آخر اسکا کیا مطلب ہے؟ یہ شہزادی مایا کی شبیہ ہے۔ یہ تجھے کہان سے ملی۔ اسکا بنانے والا کون ہے؟"

مین نے جواب دیا "مہاراج مین نہین جانتا کہ یہ کس نقاش کی بنائی ہوئی ہے۔ البتہ مین نے اسے دندھیاچل کے پرے ایک شکستہ محل مین پایا تھا۔"

وہ کچھ دیر تک اُسکی طرف دیکھتا ہوا خاموش کھڑا رہا۔ بعدازان اسکی آنکھین غصہ سے سرخ ہوگئین۔ اور اُسنے کہا "یہ میری رانی مایا کی شبیہ ہے۔ اور دوسرے کے پاس نہین رہ سکتی۔ اسکا اجنبی نگاہون کے سامنے رہنا نہایت نامناسب ہے۔ تم اس تصویر کو مجھے دے ڈالو۔"

مین نے آہستہ سے جواب دیا "نہین مہاراج! مین اسے آپ کو نہین دے سکتا۔ وہ میری ہے۔ مین اُسے کسی حالت مین اپنے سے جدا نہین کرسکتا!"

مین نہین جانتا کہ مین نے ایسا کیون کہا۔ کیونکہ مین اس کے قبل بارہا اس طلسمی تصویر کو کسی جگہ ٹھکانے لگانیکا ارادہ کرچکا تھا۔ اُسنے پھر مجھ سے کچھ نہ کہا اور ایک خادم کو اشارہ کرکے درشت لہجہ مین بولا کہ "جاؤ۔ رانی مایا کو اسی وقت

یہان بلاؤ" وہ شخص اندر چلا گیا لیکن راجہ اسی مقام پر تصویر پر نظرین گڑائے خاموش کھڑا رہا۔ اتنے مین کڑون اور پازیب کی شیرین جھنکار اور ریشمی کپڑون کی سرسراہٹ سنائی دی اور ایک بلند و بالا لیکن موزون قامت عورت بازو کے دروازہ سے داخل ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ نازک قدم بڑھاتے ہوئے راجہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ اُسکے جسم پر آسمانی رنگ کی زرین ساری تھی اور چہرہ پر ہلکے نیلے رنگ کا ریشمین نقاب پڑا ہوا تھا۔ راجہ نے اسکی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا "نقاب ہٹاؤ" اسنے نہایت ادب سے ارشاد شاہی کی تعمیل کی۔ نقاب کا اُٹھنا تھا کہ معلوم ہوا گویا چودھوین رات کا خوبصورت چاند بدلیون کے جھرمٹ سے باہر نکل آیا ہے۔ میری نگاہین اس کے حسین چہرہ مین جذب ہو کر رہ گئین۔ تصویر کا پیکر اصلی میری آنکھون کے روبرو تھا!۔

"مایا۔ کیا تو اس شخص کو جانتی ہے؟" راجہ نے کڑک کر پوچھا۔

ایک لمحہ کے لئے مجھے دیکھنے کو اُٹھین، "نہین حضور۔ مین اسے نہین جانتی" اسنے نرم و شیرین آواز مین جواب دیا گویا بربط کے تارون سے لطیف نغمہ ابل رہا ہو۔ ساتھ ہی اس کے رخسارون پر فرط حیا سے سرخی دوڑ گئی کیونکہ دیگر ہندوستانی دوشیزہ لڑکیون کی طرح وہ بھی غیر لوگون سے نامانوس تھی۔ اسکی آنکھین جو نیچے جھکی ہوئی تھین

راجہ جو اسکی طرف گھور گھور کر دیکھ رہا تھا یہ سنتے ہی اسپر جھپٹا۔ وہ جوش رقابت سے دیوانہ ہو رہا تھا اسکی آنکھون سے محبت و نفرت کے متضاد شعلے نکل رہے تھے اُسنے اُسکے شانون کو زور سے جھنجھوڑ کر کہا "عورت تو جھوٹی ہے کمبخت سچ بتلا کہ یہ کون ہے؟"

اسنے حیرت و خوف سے ملی ہوئی نگاہون سے راجہ کو دیکھا اور اسکی حسین آنکھین آنسوؤن سے لبریز ہو گئین اور بڑے بڑے قطرے اسکے زرد رخسارون پر ڈھلکنے لگے۔ اُسنے کانپتی ہوئی آواز مین پھر جواب دیا "پران ناتھ مین بالکل سچ کہتی ہون کہ اس سے ذرا بھی واقف نہین" معاً راجہ کی بیش قبض ہوا مین چمکی اور آن کی آن مین مایا کے سینے مین تیر گئی۔ ایوان شاہی مین ایک ہلکی سی چیخ بلند ہوئی اور رانی کی نعش فرش مرمرین پر تڑپنے لگی۔ اسکے بعد وہ دیوانہ وار میری طرف جھپٹا اور نہایت تیزی سے میرے شانہ مین اپنا بیش قبض پیوست کر دیا۔ مین لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ یکایک میری نظر اس تصویر پر پڑی جو گھبراہٹ کے سبب ہاتھ سے چھوٹ پڑی تھی راجہ نے دوبارہ وار کرنے کی غرض سے اپنا بیش قبض اُٹھایا ہی تھا کہ مین چلا اُٹھا "مہاراج! ٹھیرئیے۔ ٹھیرئیے۔ ذرا اس طرف تو دیکھئے!" مین نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ راجہ نے اسکی طرف دیکھا اور ہکا بکا ہو کر کھڑا رہ گیا۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ اسوقت ایک عجیب واقعہ ظہور مین آیا۔ تصویر جو بالکل اصل سے مشابہ تھی جو کبھی امید و محبت سے معمور نظر آتی اور کبھی رنج و نومیدی سے لبریز اور جو تغیر جذبات کے سبب زندہ معلوم ہوتی تھی اب یک قلم تبدیل ہو چکی تھی!۔ آہستہ آہستہ گلابی رخسارون سے خون کی سرخی زائل ہو گئی۔ عالم نزع کی روح فرسا کیفیتین اسکی سیاہ آنکھون مین اپنے گھر

نشانات چھوڑ گئیں۔ اور پیکر جمیل پر تشنجی کیفیت طاری ہو کر رفتہ رفتہ اس حسین مرقع کی روح قفس کاغذی سے پرواز کر گئی! ہان یہ کاغذی پیکر بیجان ہو گیا کیونکہ اب اسپر موت کی علامات طاری تھین۔ دھیرے دھیرے اسکا جسم سخت۔ آنکھین بے نور۔ اور لب ہائے لعلین سفید پڑ گئے۔ تاہم وہ اب بھی خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ اب وہ حسین منجمد کا مرقع بیجان تھی اور اس طرح نظر آرہی تھی جیسی اسوقت آپ کے سامنے موجود ہے"۔

فقیر کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ بعد ازان اسنے پھر اس طرح اپنا قصہ کہنا شروع کیا۔ "راجہ نے جو مارے دہشت کے بدحواس ہو رہا تھا مجھ سے مخاطب ہو کر خوفزدہ انداز مین پوچھا "یہ کیا جادوگری ہے؟"

"مہاراج۔ مین بالکل نہین جانتا" مین نے جواب دیا "لیکن شاید یہ تصویر ہی خود اپنی داستان بیان کرے کیونکہ اسکی پشت پر کسی غیر زبان مین کچھ عبارت کندہ ہے۔ مہاراج چونکہ آپ پڑھے لکھے ہین بہت ممکن ہے کہ اسکا مطلب نکال سکین"۔

مین نے تصویر کو پلٹ کر اُسکے ہاتھ مین دیا۔ اسنے ایک سرسری نگاہ اسپر ڈالی اور تعجب سے کہا "یہ زبان اجنبی ضرور ہے لیکن وہ جس سے مین واقف ہون"۔ "تب تو مہاراج آپ اسے پڑھ کر مجھے ضرور سمجھائیے" مین نے اُس سے التجا کی۔ راجہ نے پہلے اُسے آہستہ آہستہ پڑھا۔ اُسکے چہرہ سے حیرت و خوف کے آثار مترشح تھے بعد ازان اُسنے مجھے اسکا اردو ترجمہ سنایا۔ تصویر کی پشت پر ہاتھی دانت کی لوح مین یہ عبارت کندہ تھی۔

"چترپور کے شاہی خاندان کی شہزادی ایلا کی تصویر!"

"مین نے تیرے رخسارون کو اپنی زندگی کے تازہ خون سے رنگا ہے۔ اور تیری آنکھون کو اپنی عزیز ترین امیدون ناکامیون اور محبت کی شمیم انگیزیون کا آشیانہ بنایا ہے۔ اور تیرے ابروؤن اور لب ہائے شیرین مین انھین کیفیات کی رنگ آرائی کی ہے۔ اے میرے اقلیم دل پر حکومت کرنے والی شہزادی ایلا! مین نے اپنے خیالات کو تیری زلف رسا کی تاریکیون مین پھنسا دیا ہے۔ جب میری روح کالبد عنصری سے پرواز کریگی تو اس کاغذی پیکر مین جسے مین نے خون حیات کی سرخی۔ محبت۔ امید اور ناکامی کی عجیب و غریب رنگ آمیزی سے تیار کیا ہے اُسوقت تک مقید رہیگی جبتک کہ تیرے ہی خاندان کا ایک فرد تیرے زندگی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کرے"۔

میران نقاش"

اسکے بعد پھر گہری خاموشی مسلط ہو گئی کچھ دیر کے بعد راجہ نے آہ سرد بھر کر کہا "افسوس۔ شہزادی مایا ہی چترپور کے شاہی خاندان کی شمع و چراغ تھی"۔ اسکے ہاتھ سے تصویر گر گئی اور وہ فرط غم سے بیتاب ہو کر اپنی رانی کے تن بیجان کے پاس گر پڑا جسے اُسنے ابھی ابھی قتل کیا تھا۔ اس طرح ایک گھنٹہ اور گذرا۔ راجہ کی آہ و بکا کی آوازین دیر تک ایوان شاہی مین گونجتی رہین۔ آخر کار مین اُٹھا اور سب تصویرون کو جمع کرکے وہان سے نکل کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا

اپنے مکان پر پہنچا۔ کیونکہ میرے ہاتھ سے اب بھی خون رس رہا تھا۔ صاحب یہ ہے قصہ اس تصویر کا جو مین نے آپ سے بیان کیا"

مین حیرت و دلچسپی سے اس قصہ کو سنتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد مین نے اُس سے پوچھا۔

"بابا جی! کیا خیالات و جذبات تصویر مین مقید ہو سکتے ہین؟"

"ہان میان۔ حقیقی مصور اپنے خیالات و جذبات کی تصویر مین اس خوبی سے بھر دیتا ہے کہ وہ اسکے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور جب اُسکا زندہ رہنا ممکن ہے تو کیا اسکی موت بعید از قیاس ہو سکتی ہے۔ اگر زندگی و موت مصور کے لیئے ضروری ہین تو تصویر کے لیئے بھی لازمی"۔ مین اب بھی خاموش رہا۔ کیونکہ یہ عجیب منطق میرے فہم سے بالاتر تھی۔

"لیکن صاحب" اسنے مجھسے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "فن نقاشی کا کمال اس سرزمین سے رخصت ہو گیا اور صنعت و کاریگری جو ہندوستان کی سب سے بیش بہا دولت تھی اب یہان سے ناپید ا ہو چکی ہے"

مجھے اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کی تاریکی رات سے گلے مل رہی تھی۔ مین اُٹھا اور اس سے وداعی سلام کر کے مرخص ہوا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر سوالک پہاڑیون کے ناہموار راستون سے گذرتا ہوا اپنی اقامت گاہ کو جا پہنچا۔

(ترجمہ)

عبد السلیم

کلیات و دواوین (اُردو)

دیوان میر حسن دہلوی ۔ نہایت درد انگیز کلام ہے..... ۱ر

دیوان مردان صفی تصوف کا رنگ کوٹ کوٹ بھر دیا گیا ہے ۵ر

کلیات مومن معہ تصاویر و مثنویات......... عہ

کلیات ظفر ہر چہار جلد کامل دو جلد.......... ۱۲ر

دیوان ناسخ استعارات و تشبیہ مین انکا کلام اپنی آپ نظیر ہے عہ

کلیات میر تقی میر ۔ تعریف فضول ہے کل شعرائے ماضی و حال کے پیشوا مانے جاتے ہین........ عہ ۸ر

کلیات سودا ۔ ہجو گوئی کے بادشاہ اور قصیدہ کے استاد... ۸ر

کلیات نظیر اکبر آبادی ۔ ہر رنگ مین فرد تھے...... عہ

مسٹر رینالڈز کے انگریزی ناولون کے ترجمے

فسانہ الہ دین و لیلےٰ ۔ مشہور ناول اسٹار آف منگریلیا کا ترجمہ رنگین داستانون کے ضمن مین بہشت و دوزخ کی سیر کرائی ہے پڑھکر دل دھڑک جاتا ہے۔ مترجمہ منشی امیر حسین صاحب تحصیلدار کاکوروی.......... ۱۲ر

فریب حسن ناول فاسٹ کا اردو ترجمہ جس مین قصہ کے پیرایہ مین بدکردارون کے زبون نتائج دکھائے گئے ہین....... ۱۲ر

ناول اسرار نیکرو منیسر کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ جو باعصمت اور حسین نہ لیڈیونکے دلی جذبات کا خاکہ زمانہ کی حیرت انگیز نیرنگیون اور انقلاب کی حیرت انگیز تصویر....... عاہ

(مینیجر نگار)

برہان پور

برہان پور دریائے تاپتی کے کنارے ۲۱ درجہ ۱۸ دقیقہ عرض البلد شمالی اور ۷۶ درجہ ۱۷ دقیقہ طول البلد شرقی پر واقع ہے۔ اس کی بنیاد ۸۰۲ھ یا ۸۰۳ھ مین پڑی ہے اور خاندان فاروقیہ کا پہلا خود مختار بادشاہ نصیر خان (۸۰۱ھ تا ۸۴۱ھ) اس کا بانی ہے۔ مورخ فرشتہ کا بیان ہے کہ جب نصیر خان نے خاندیس کے مشہور قلعہ آسیر کو فتح کیا تو اس خوشی مین حضرت شیخ زین الدین رح دولت آباد سے مبارک باد کے لئے نصیر خان کے یہان تشریف لائے، اور دریائے تاپتی کے کنارے اوس مقام پر جہان اب زین آباد، آباد ہے قیام فرمایا۔ نصیر خان نے آپ کی بڑی عزت کی۔ آپ کا یہان وقتہ قیام رہا۔ اس عرصہ مین نصیر خان آپ کی خدمت مین کئی مرتبہ حاضر ہوتا تھا۔ جب آپ نے واپسی کا خیال کیا تو نصیر خان نے آپ کو چند قصبات دینے چاہے۔ لیکن آپ نے اس کو منظور نہین کیا اور فرمایا کہ درویشون کی ذات کے لئے اس قسم کے وظیفے اور عطیئے بے محل ہین ہم کو ان چیزون سے کیا نسبت! جب شیخ سے نصیر خان نے ایسی باتین سنین تو اور اصرار کیا اس پر آپ نے فرمایا کہ جس مقام پر اسلامی لشکر خیمہ زن ہے۔ وہان ایک شہر کی بنیاد ڈال اور اس کا نام میرے پیر شیخ برہان الدین غریب رح کے نام پر رکھ اور اوسے اپنا دارالحکومت بنا اور اس جگہ جہان مین ہون ایک قصبہ اور مسجد تعمیر کر اور اس کو زین آباد کے نام سے موسوم کر، اوس کے بعد شیخ نے دعا کی اور فاتحہ پڑھی اور دولت آباد کو حضرت شیخ برہان الدین غریب رح کی خدمت مین واپس چلے گئے۔

شیخ کے دولت آباد تشریف لے جانے کے بعد نصیر خان نے آپ کے حسب ایماء دریائے تاپتی کے اوس پار ایک حصار کی بنیاد ڈالی، اور قلعہ کو مستحکم کر کے برہان پور کے نام سے موسوم کیا۔ اور جو آپ کا قیام گاہ تھا وہان زین آباد کو آباد کیا۔

برہان پور کوئی ایسی قدیم بستی نہین ہے۔ اس کی بنیاد ڈلے ہوئے تقریباً پانچ سو سیتالیس (۵۴۷) برس ہوتے ہین۔ لیکن اس نے اس تھوڑی مدت مین زمانے کے بہت تاریخی انقلاب دیکھے ہین ۸۰۲ھ یا ۸۰۳ھ سے ۱۰۰۸ھ تک یہ سلاطین فاروقیہ کا دارالحکومت تھا۔ اس کے بعد ۲۵ رمضان ۱۰۰۸ھ مین یہ شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ / ۱۵۵۵ء تا ۱۶۰۵ء) کے قبضہ مین آیا اور شاہجہان (۱۰۳۶ھ تا ۱۰۷۶ھ / ۱۶۲۷ء تا ۱۶۶۵ء شہزادہ خرم) کے زمانہ تک یہ خاندیس اور دکن کا صدر مقام تھا سلطنت مغلیہ کی کمزوری کے بعد اس پر ۱۱۳۲ھ مین نواب قمر الدین خان بہادر آصف جاہ اول (سنہ ۱۱۶۱ھ) قابض ہوئے۔ آپ کے زمانہ مین اسکی باضابطہ ترمیم ہوئی۔ ابتدا مین شہر کو کوئی حصار نہین تھا ۱۱۴۱ھ مین آپ کے حکم سے ایک زبردست حصار تعمیر کیا گیا ۱۱۷۳ھ کے اوائل مین اس پر مرہٹے قابض تھے۔ ان کی یہان مدتون حکومت رہی ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء مین اس پر انگریزون کا قبضہ ہوا

اور قریباً سوا سو سال سے یہ اِن کے حدود مین شامل ہے۔

برہان پور تاریخی لحاظ سے دکن مین خاص اہمیت رکھتا ہے، اور اس کے آثار قدیمہ سے متعلق بہت سی عمارات، اہم ہین ذیل مین ہم اس شہر کے بعض قدیم عمارات کا حال لکھتے ہین۔

قلعۂ ارک۔ برہان پور کا قلعہ مسمار ہو گیا ہے۔ اس کے آثار سے اَب کہین کہین برجون کے نشانات پائے جاتے ہین۔ جن سے پتہ لگایا جاتا ہے کہ یہ ساری چیزین بارھوین صدی ہجری کے ابتدائی یا وسطی زمانہ کی منہدمہ ہین۔

قلعہ کے شمالی حصہ سے شاہی محلات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس مین بادشاہ اور بیگمات رہا کرتی تھین، لیکن اَب اس حصہ کی بعض عمارات کا پتہ بھی نہین چلتا۔ اس حصہ کے جو آثار باقی ہین۔ اون مین نقاشی اور رنگ آمیزی کا نہایت بہترین کام ہے۔

اس کے سوا، قلعۂ کی عمارات مین ترکی حمام بھی قدامت اور تناسب کے لحاظ سے خاص چیز ہے۔ اس کی چھت خاص وضع اور ترکی اصول پر بنائی گئی ہے اس کا گنبد مثمن واقع ہوا ہے اور اس کا فرش سنگ مرمر کا ہے اس عمارت کی بلندی سطح زمین سے تقریباً ۸۰ فیٹ ہوگی۔ اس کے اُوپر سے بہت دُور دُور کا نظارہ ہوتا ہے خاص کر دریائے تاپتی کا منظر جو اس پر سے دکھائی دیتا ہے وہ بہت پُر لطف ہے۔

کارخانہ آب رسانی۔ قدیم زمانہ مین برہان پور مین نہرون کے ذریعہ شہر مین پانی آتا تھا جس کے بعد اس کی صفائی ہوتی تھی۔ تاپتی کا پانی چونکہ کھارا ہے۔ اس لئے یہان پر اس کو قدیم اُصول پر صاف کرنے کیلئے بعض اونچے اونچے حوض مینارے کی شکل مین بنائے گئے تھے۔ اِن آثار کے شکستہ نقوش شہر کے گرد نواح مین ابھی تک کثرت سے پائے جاتے ہین جن کی ساخت سے قدیم کاریگری اور اُس زمانہ کے اصول تعمیر کا اندازہ ہوتا ہے۔

بی بی رقیہ کی مسجد۔ یہ مسجد شہر سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کو بی بی رقیہ مریم زمانی نے نوین صدی ہجری مین تعمیر کرایا تھا مسجد بہت وسیع اور بلند ہے۔ لیکن قدیم ہونے کی وجہ سے گرنے کے قریب ہوگئی ہے۔ اگر اس جانب توجہ کی جائے تو ممکن ہے کہ یہ اپنی پہلی حالت مین برقرار رہ سکے۔

۹۷۰ھ مین جب عادلشاہ بن مبارک خان فاروقی نے شہر مین جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا تو اس وقت سے اس مین نماز ہونی موقوف ہو گئی تھی۔

جامع مسجد۔ اس مسجد کا بانی عادلشاہ فاروقی (۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء – ۱۰۰۵ھ/۱۵۹۶ء) تھا۔ اس نے اس کو ۹۹۷ھ مین تعمیر کیا۔ اسکی عمارت نہایت خوشنما اور وسیع ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کا رقبہ طول مین ۱۴۸ فیٹ اور عرض مین ۵۱ فیٹ ۲ انچہ کے مماثل ہے۔

یہ مسجد ساری سنگ سیاہ سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس مین تناسب اور طرز تعمیر کا اس قدر لحاظ ہے کہ اس نوعیت کی

مساجد شمالی دکن مین بھی نہین پائی جاتین۔

اس عالیشان مسجد کی چھت تقریباً چھیانوے (۹۶) ستونون پر استادہ ہے یہ ستون اس طریقہ سے نصب کئے گئے ہین کہ مسجد پانچ حصون مین تقسیم ہو گئی ہے، اس نوعیت کی مساجد سوائے گلبرگہ اور بیدر کے دکن کے کسی اور حصہ مین مشکل سے ہون گی۔

مسجد کا اندرونی حصہ زیادہ آرائشی اور کنگرے دار ہے۔ اس مسجد کے سارے ستون جو پہل ہین ان مین کے ہر ستون کا قطر تقریباً ۲ فیٹ ۴ انچہ ہے۔ مسجد کی عمارت کے نقشے پر غور کرنے سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت مسلمانون کے چوتھے عہد سے تعلق رکھنے والی تعمیر ہے۔

مسجد کا صحن دو حصون پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ کا عرض ۷۵ فیٹ اور دوسرے حصہ کا عرض ۳۹ فیٹ ہے اس کے صحن سے ملے ہوئے کئی قدیم حجرے ہین۔ جن کی تعمیر کا زمانہ سلطان عادل شاہ فاروقی کا وسطی عہد ہے اس لئے کہ اس مسجد کی تعمیر ۹۹۷ھ مین ختم ہوئی اور سلطان عادل شاہ فاروقی کا عہد ۹۸۵ تا ۱۰۰۵ھ تک تھا اور اس نے ۹۸۵ھ سے ۱۰۰۵ھ تک حکومت کی تھی۔

اس مسجد کے اندرونی محراب پر ایک کتبہ اس کی تاریخ تعمیر کا خط نسخ مین کندہ ہے۔ جس کو عہد فاروقیہ کے مشہور کتابہ نویس مصطفیٰ خان نے ۹۹۷ھ مین لکھا تھا، (کتبہ)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم - وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً ۰ الحمد للہ الموفق للطاعات المعین بہ فضلہ علی العبادات والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الخلق محمد الذی حرض العباد علی العبادۃ وعلی آلہ واصحابہ الذین قاموا بواجبہا و زیادۃ وبعد فان اولی ما ینفق فیہ شرایف الاحوال القربات التی یعود نفعہا فی المال ومن اجل ذلک الصدقات الجاریہ فان بوابہا ملای الازمان ساریہ وقد وردت السنۃ بان یصرف الیہا الاعنہ ولانہ امر بنیان المساجد من شعائر الدین وقمع المتمردین لما ترتیب من بنائہا مزید الثواب وان بانیہا ملہم للصواب حیث ورد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من بنی للہ مسجداً ولو مکفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ فلذلک امر مولانا السلطان الاعظم والخاقان المکرم الفائق بفضلہ علی سلاطین العرب والعجم عادل شاہ بن مبارک شاہ الفاروقی خلد اللہ ملکہ، ھذا المسجد الذی ھو بالوصف جدیر لانہ قل ان یوجد لہ نظیر خالصاً لوجہہ الکریم وطالباً لمرضاتہ الجسیم تقبل اللہ ذلک منہ بفضلہ ومزید کرمہ وطولہ وکان ابتداءہ سنۃ سبع وتسعین وتسعمائۃ واتمامہ سنہ خدم بہ کتابتہ اقل عبیدہ الداعی لدولتہ مصطفیٰ بن نور محمد خطاط عفی اللہ عنہ۔

اس کتبے کے سوائے ایک اور کتبہ مسجد کے عقبی مینار پر تحریر ہے جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ۵ - رمضان ۱۰۰۹ھ مین اکبر نے برہان پور کو فتح کیا - اس کتبہ کا کندہ کرنے والا مشہور شاعر میر محمد معصوم نامی ہے، جو اکبر کا درباری شاعر اور کتابہ نویس تھا - اس کتبہ مین ۲۶ - شوال ۱۰۰۹ھ کو اکبر کے لاہور جانے کا بھی ذکر ہے - کتبہ -

تا تاریخ الٰہی عبارت ست از زمان جلوس حضرت شہنشاہ ظل الٰہ اکبر بادشاہ غازی کہ ز تائید جوان بخت خویش قلعہ آسیر کشاد ہ

کشت آباد اسیر ازان نامی سنہ بخشش بہ گفت اللہ آباد

تاریخ ۱۱ - فروردین ماہ الٰہی ۴۵ موافق ۵ - رمضان ۱۰۰۹ھ حضرت شہنشاہ ملک بارگاہ ظل الٰہ برہان پور را مقر رایات ظفر آیات ساختند و بہادر خان آمدہ بہ پابوس مشرف شد و او را با اتباع جان بخشی کردند قلعہ آسیر فتح شد -

شہ غازی جلال دین اکبر آن بہ تائید بخت قلعہ کشا

کرد فتح اسیر از آن نامی گفت بگرفت قلعۂ اعلا

قائلہ و کاتبہ محمد معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الترمذی اصلاً و البکری مسکناً و مدفناً و المنتسب اماً الی سید شیر قلندر ابن بابا حسین ابدال السبزواری مولداً و القندھاری موطناً و مرقداً بہ تاریخ روز ماہ دوازدہم اُردی بہشت ۴۶ موافق ۲۶ شوال ۱۰۰۹ھ بندگان حضرت عازم لاہور شد -

فتح خاندیس و دکن چون کرد شاہ عازم ہندوستان الفور شد

یک عدد نامی فرو در انگاہ گفت شاہ والا عازم لاہور شد

نور بخش کی مسجد - ان مساجد کے علاوہ نور بخش کی مسجد بھی نہایت عالیشان مسجد ہے - بہ قول مصنف ماثر الامراء کے اس کے بانی نواب عبد الرحیم خان تھے - آپ کا حضرت نواب میر قمر الدین علی خان بہادر آصف جاہ اول سے چچا کا رشتہ تھا - نواب غازی الدین بہادر فیروز جنگ ان کے علاتی بھائی تھے - ایک عرصہ تک انھون نے برہان پور کی نظامت کی - اور اسی جگہ انتقال فرمایا - مسجد کے عقب مین چہل ستون کے متصل آپ کا مقبرہ ہے -

یہ مسجد بہ لحاظ فن کے شہر کی ساری عمارات مین خاص اہمیت رکھتی ہے - اور وسعت کے لحاظ سے برہان پور کی اہم مساجد مین وسیع ہے - اس کا زینہ بھی سطح زمین سے خاصا بلند ہے بقول اسلامی مورخین کے اس کے کلس بہت دُور سے دکھائی دیتے ہین - جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابھی چڑھائے گئے ہین -

خانخانان کی سرائے - عبد الرحیم خانخانان جب برہان پور کے صوبہ دار مقرر کئے گئے تو انھون نے اپنی صوبہ داری کے زمانہ مین یہان ایک سرائے تعمیر کی جو بلحاظ وسعت خاصی وسیع اور خوشنما ہے - اس مین ایک زمانہ سے بازار لگتا ہے -

اس عمارت کے طریقہ تعمیر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض حصوں کی درستی بعد میں کی گئی ہے۔ اس خانقاہ کے دروازے پر ایک کتبہ ۱۰۲۷ھ کا کندہ ہے، جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس عمارت کو خان خانان نے خلیل اللہ خان کے اہتمام میں جو بہادر خان کا بیٹا ہے ۱۰۲۷ھ میں جہانگیر کے عہد میں بنوایا تھا۔ (کتبہ)۔

"در عہد سلطنت ظل اللہ فی الارضین نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و عدلہٗ"

خان خانان سپہ سالار را خلد شوکتہ حسب الامر اجہان مطاع بہ اہتمام خلیل اللہ پسر بہادر خان در

سنہ ہزار و بیست و ہفت این سرائے بہ اتمام رسید۔

شاہان فاروقیہ کے گنبد۔

شہر کے انوارہ دروازے سے کوئی آدھ میل کے فاصلہ پر یہ گنبد واقع ہیں۔ جن میں سب سے بڑا گنبد عادل شاہ فاروقی کا ہے۔ جو برہان پور کی جامع مسجد کا بانی تھا۔ اس گنبد پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ اسی سلسلہ میں اور دو گنبد سلاطین فاروقیہ کے ہیں۔ اس کے سوا، ان تمام مقابر میں کئی کئی قبریں ہیں۔ قیاس ہوتا ہے کہ یہ قبور ان کے رشتہ داروں سے تعلق رکھتی ہیں۔

شاہ سوزا کا مقبرہ۔ سلاطین فاروقیہ کے گنبد جس مقام پر واقع ہیں۔ وہ ایک چار دیواری ہے۔ اسی حد میں ایک اور مقبرہ شاہ سوزا کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقبرہ ان تمام گنبدوں میں غیر معمولی خوشنما اور خوبصورت ہے اس کی صناعی اور منبت کاری نہایت شاندار ہے۔ اس نوعیت کا نفیس مقبرہ سارے برہان پور میں نہیں ہے۔

شاہجہان کا باغ "زین آباد جو حضرت شیخ زین الدین اولیا کے نام سے آباد ہے۔ یہاں پر شاہ جہان اپنی شہزادگی کے زمانہ میں رہا کرتا تھا۔ اس نے اپنے اس قیام کے دوران میں یہاں ایک خوشنما باغ تعمیر کیا تھا۔ جس میں نہایت بہترین درخت اور اونچی اونچی عمارات تھیں۔ اس باغ میں بہ قول مورخین کے ممتاز محل نے انتقال کیا۔ اور یہیں سے ان کی لاش آگرہ بھیجی گئی۔"

اس باغ کی عمارت اور احاطہ کی دیوار کے نشانات ابھی تک باقی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ باغ اور عمارت کے حدود نہایت وسیع تھے۔

شاہنواز خان کا مقبرہ۔ برہانپور کی عمارات میں یہ مقبرہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی صناعی اور کاریگری نہایت بہترین ہے۔ یہاں پر جو عام روایات مشہور ہیں اون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقبرہ میرزا ایرج شاہنواز خان کا ہے۔ جو عبد الرحیم خانخانان کا بیٹا اور برہان پور کا صوبہ دار تھا۔

اس مقبرہ پر ہر سال ایک میلا بڑی دھوم سے لگتا ہے، جس میں شہر کے تمام لوگ جمع رہتے ہیں اس مقبرہ کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی عمارت میں چینی کا نہایت بہترین کام کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اس کے

دیوار اور دروازون پر نہایت بہترین رنگ کاری ہے۔ جو برہانپور کی عمارات مین بہت کم بلکہ شاذ و نادر پائی جاتی ہے۔

ان مختصر آثار کے سوا، شہر اور اطراف مین کوئی اور قدیم عمارات نہین ہین جو قابل تذکرہ سمجھی جائے البتہ ان کے علاوہ شہر مین سینکڑون اولیا اللہ کے مزارات ہین۔

تصحیح:- ۱۔ مورخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ اکبر نے ۱۰۰۸ھ مین قلعہ آسیر کو فتح کیا۔ لیکن یہ بیان غور طلب ہے۔ جامع مسجد پر میر محمد معصوم نامی کے ہاتھ کا جو کتبہ کندہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۵۔ رمضان ۱۰۰۹ھ سے متعلق ہے۔ (تاریخ فرشتہ مقالہ ششم صفحہ ۲۹۱)۔

۲۔ اسی موقعہ پر فرشتہ سے راجہ علی خان کے بارے مین ایک نہایت اہم اور صریح غلطی ہوگئی ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ راجہ علیخان نے اپنے نام کے ساتھ شاہ کا لقب اختیار نہین کیا تھا لیکن جامع مسجد کے اندرونی کتبے کو دیکھنے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ راجہ علیخان نے اپنے کو عادل شاہ فاروقی کے نام سے موسوم کیا تھا۔ (تاریخ فرشتہ مقالہ ششم صفحہ ۲۷۸)۔

تعلیقات:- ۱۔ حضرت شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ محبوب الٰہی کے خلفائے عظام سے ہین آپ چار سو فقراء کے ساتھ دہلی سے دولت آباد تشریف لائے۔ اور اسی مقام پر ۱۱ صفر ۷۳۸ھ / ۱۳۳۷ء مین چہار شنبہ کے دن وصال فرمایا۔ آپ کا مقبرہ خلد آباد مین واقع ہے (روضۃ الاولیا صفحہ ۱۴)۔

۲۔ حضرت شیخ زین الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ، آپ حضرت شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے باکمال خلفا سے ہین۔ سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۶۶ھ – ۷۸۰ھ) کے زمانہ مین گذرے۔ ۲۵ ربیع الاول ۷۷۱ھ / ۱۳۶۹ء مین آپ نے وفات فرمایا۔ خلد آباد مین اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے متصل آپکا مزار ہے۔ (روضۃ الاولیا از آزاد بلگرامی صفحہ ۱۷)۔

۳۔ **عادلشاہ بن مبارک خان فاروقی**۔ اس بادشاہ کا نام راجہ علیخان ہے ۹۸۴ھ / ۱۵۷۶ء مین اپنے بھائی میران شاہ کے انتقال کے بعد برہان پور کے تخت پر بیٹھا۔ ۱۷۔ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء مین ایک معرکہ مین وفات پایا۔ اسکی مدت حکومت اکیس سالہ (۲۱) ہے (تاریخ فرشتہ مقالہ ششم صفحہ ۲۷۸)۔

۴۔ **میر محمد معصوم نامی**۔ ان کے آباء و اجداد ترمذ کے باشندے تھے۔ یہ بھکر مین پیدا ہوئے۔ ان کے انتقال کی نسبت مورخین مین اختلاف ہے۔ بقول مصنف نتائج الافکار (ص ۴۲۷) اور مآثر الامراء (جلد ۳ صفحہ) کے انھون نے ۱۰۱۵ھ مین انتقال کیا۔

ان کے کتبے آگرہ۔ دہار۔ فتحپور۔ اوجین۔ سعدل پور۔ مانڈو۔ برہانپور۔ بیانہ۔ مدہکرہ۔ ناگور۔ قندہار۔ وغیرہ مین نہایت کثرت سے ہین۔ ان کا تذکرہ اکبر کی سیاسی تاریخ مین خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ان کو شاعری سے خاص شوق تھا

تخلص نامی ہے۔ یہ کئی کتابون کے مصنف ہین جن مین سے بعض کے نام یہ ہین۔ تاریخ سندہ۔ طب نامی۔ مفردات معصومی۔ معدن الافکار۔ حسن وناز۔ پری صورت۔ خمسہ متحیرہ۔ اکبر نامہ۔ (ان کے حالات ذیل کی کتابون مین ملاحظہ فرمائے۔ طبقات اکبری صفحہ ۴۰۱۔ منتخب التواریخ صفحہ ۱۷،۔ اکبر نامہ صفحہ ۲۹۶۔ ماثر الامراء صفحہ ۹۳۶۔ مفتاح التواریخ صفحہ ۱۵۵، الیٹ صفحہ ۱۱۱، روز روشن صفحہ ۶۷۹۔ ہفت آسمان صفحہ ۱۴۱، حال مین میر معصوم نامی پر ایک بسوط اور مفصل مضمون مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب ایڈیٹر تاریخ نے اپنے رسالہ تاریخ مین تحریر فرمایا ہے جس مین تقریباً چالیس کتابون سے استفادہ کیا ہے۔ رسالہ تاریخ جلد ۱ نمبر ۱)۔

۵۔ شاہنواز خان۔ عبد الرحیم خانخانان کے بیٹے تھے۔ ان کا نام میرزا ایرج ہے۔ جہانگیر نے ان کو بعض کارہائے نمایان کے انجام دینے پر شاہنواز خان کے خطاب سے ممتاز فرمایا تھا۔ یہ جہانگیر کے جلوس کے تیسوین (۲۳) سال برہانپور مین (مالوہ) آئے دیکھو ماثر الامرا صمصام الدولہ شاہنواز خان جلد اول صفحہ ۵۴-۹۰-۴-۷۰۳-۴-۷۰-۱۱-۷-۴-۷۷)۔

۶۔ ممتاز محل۔ ارجمند بانو بیگم جو تاج محل کے نام سے مشہور ہے۔ شاہجہان کی چھیتی بیوی تھی۔ آصف خان جو نور جہان کا بھائی ہے وہ اس کا باپ تھا۔ ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۲ء مین پیدا ہوئی۔ چالیس سال کی عمر مین ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ مین زین آباد مین انتقال کیا۔ ۱۷ جمادی الاول ۱۰۴۱ھ مین ان کی لاش آگرہ منتقل کی گئی۔ تاج محل جو دنیا کا مشہور مقبرہ ہے آسودہ ہے۔ (مصنف قاموس المشاہیر نے اس موقعہ پر سنین مین بعض فاش غلطیان کی ہین دیکھو قاموس المشاہیر جلد اول صفحہ ۲۴۷)۔

کتابیات:۔ برہانپور اور اس کے آثار قدیمہ کا حال ہم نے ذیل کی کتابون سے اخذ کیا ہے۔

(۱)	تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	مطبوعہ	مطبع نولکشور
(۲)	منتخب اللباب	محمد ہاشم خافی خان	"	لیڈن
(۳)	تاریخ رشید الدین خانی	غلام امام الدین خان دہلوی	"	حیدر آباد
(۴)	ماثر الامراء	نواب صمصام الدولہ میرزا شاہ نواز خان	"	رائل ایشیاٹک سائٹی
(۵)	سوانح دکن	منعم خان ہمدانی	"	قلمی
(۶)	واقعات بیجاپور	مولوی بشیر احمد دہلوی	"	مفید عام آگرہ ۱۹۱۵ء
(۷)	تاریخ برہانپور	مولوی خلیل الرحمن برہان پوری	"	مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۹ء
(۸)	کتبہ جات اسلامیہ	رسالہ الناظر جلد ششم نمبر ۳		
(۹)	امپریل گزیر اف انڈیا			

سید احمد اللہ قادری۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن)

پرستارِ محبت

(افسانہ)

(۱)

ستا ندی (دریائے گوداوری کی ایک شاخ) کے کنارے کچھ فاصلہ پر گھنے درختون مین ایک لکڑی اور پھوس کا جھونپڑا تھا۔ پریم اسی مین رہا کرتا تھا۔ یہان سے جگت پور بہت دور نہ تھا۔ دن بھر وہ گاؤن مین محنت مزدوری کرتا اور شام کو آکر اس مین سو رہتا۔ اس جھونپڑے کے سوا اُس جنگل مین اور کوئی مکان نہ تھا جب سے وہ یہان آکر رہا تھا اس کی زندگی مین بہت انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ رات کی بھیانک اور خوفناک تاریکی مین جب صرف خونخوار درندون اور جانورون کی ہیبناک آوازین دل کو دہلاتین، یا ندی کی موجین، پتھرون سے سر ٹکرا کر نالۂ وفغان کرتی ہوتین تو وہ بڑے بڑے آنسو بہایا کرتا۔ آنسو بہاتا۔ کروٹین بدلتا رہتا اور اپنے غم مین اس قدر محو ہو جاتا کہ اُسے درندون اور صحرائی جانورون کی چیخ پکار اور ندی کے شور وغل کا ذرا بھی احساس نہوتا۔ اُسے کسی بات سے ڈر نہ لگتا۔

کبھی کبھی وہ خیالات کی کثرت سے بیحد پریشان ہو جاتا۔ وہ دروازہ کھولدیتا اور باہر نکل جاتا بے خود اور بے پرواہ ندی کے بالکل کنارے پہنچ جاتا۔ خواہ کتنی ہی رات کیون نہ گذر گئی ہو، وہ وہان بیٹھ جاتا۔ اُس سے اپنی داستان الم کہنے لگتا۔ اس سے شانتی کی جدائی کا ذکر کرتا۔ اس سے التجا کرتا "اے جل کے دیوتا۔ میری جوانی لے جا۔ میری جوانی۔ مگر شانتی کو، پیاری شانتی کو میری آنکھون سے اوجھل نہ ہونے دے۔" ندی سے کوئی جواب نہ ملتا وہ وہان سے بھی شکستہ دل ہو کر بھاگتا چاندنی ہر طرف پھیلی رہتی۔ وہ چاند کو دیکھکر اُسے اپنی سرگزشت سُناتا۔ چاند سُنتا رہتا اور کوئی جواب نہ دیتا۔ وہ سب کو اپنے سے بیزار پاتا۔ وہ خود سب سے بیزار ہو کر اپنے جھونپڑے مین واپس آجاتا اور اشک باری اور نالۂ وفغان مین سحر کر دیتا۔

(۲)

کشن پرشاد، جگت پور کے ایک نہایت امیر، ممتاز اور پابندِ مذہب برہمن تھے، خدا نے گھر مین سب کچھ دے رکھا تھا، کسی بات کی کمی نہ تھی۔ خود کھاتے تھے اور دوسرون کو بھی کھلاتے تھے۔ تمام جگت پور مین مہاراج کے نام سے مشہور تھے تمام لوگ مہاراج کو بہت قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کشن پرشاد مہاراج کے گھر مین صرف تین آدمی تھے۔ ایک وہ خود، ان کی بیوی اور ان کی حسین لڑکی شانتی۔

پریم چند کے والد ٹھاکر راجچند، مہاراج کے ایک قدیم دوست تھے اور جب تک ٹھاکر صاحب زندہ رہے

دو نون مین خوب بنتی تھی۔ ٹھاکر صاحب زراعت وغیرہ کرتے تھے۔ لیکن فضول خرچ بھی بڑے تھے، بہت کچھ روپیہ ادھر اُدھر ناچ رنگ اور دوستون مین اُڑا دیتے تھے بیوی پہلے ہی مر چکی تھی اور اب اکیلے آپ تھے اور ایک لڑکا۔

جب ٹھاکر صاحب بہت ضعیف ہوگئے اور زندگی کی تمام کٹھن منزلین طے کر چکے تو انھون نے ایک دن مہاراج سے کہا "مہاراج مین تو اب دنیا سے جارہا ہون۔ میرا ایک لڑکا ہے جسے مین آکے سپرد کرتا ہون۔ مہاراج آپ اسکی پرورش کیجئے۔ اور جب بڑا ہو تو اُسے میرا گھر اور جائداد وغیرہ دیدیجئے گا" مہاراج نے قدیم دوستی کا خیال کرتے ہوئے ٹھاکر صاحب کی اس استدعا کو قبول کر لیا۔ اور ٹھاکر صاحب کی بہت تسکین و تسلی کی۔ چند روز کے بعد ٹھاکر صاحب دنیا سے کوچ کر گئے۔ مہاراج کو اپنے دوست کی جدائی سے بہت قلق ہوا۔ پریم کی عمر اس وقت صرف سات برس کی تھی اُسے باپ کی مفارقت کا صدمہ ضرور ہوا۔ لیکن مہاراج کے نیک برتاؤ، مہاراجن کی محبت اور شانتی کی ہم جلیسی نے وہ سب بھلا دیا۔ اور وہ نہایت آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگا۔

شانتی عمر مین پریم سے چھوٹی تھی دونون ایک دوسرے کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو بہت پیار اور الفت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی محبت ایک دوسرے کے دلون مین زیادہ گہرا اثر کرنے لگی۔ شانتی کی ذرا سی تکلیف پر پریم بیتاب ہو جاتا اور پریم کی افسردگی پر شانتی کو قرار نہ ملتا۔

پریم اور پیار کی ہلکی ہلکی موجین، جو شانتی اور پریم کے چھوٹے چھوٹے دلون مین آہستہ آہستہ اُٹھ رہی تھین اب عمر کی ترقی کے ساتھ بڑھنے لگین گھر کی چار دیواری مین، ماں اور باپ کی نظرون سے پنہان ہو کر محبت کے دو چھوٹے چھوٹے پودے نشو و نما پا رہے تھے۔ دونون کے دلون مین ایک دوسرے کا احترام، عزت اور ایک دوسرے کی پسندیدگی کا راز زیادہ پر اسرار ہوتا گیا۔ اب پریم کی عمر پندرہ سال کی ہوگئی تھی اور وہ اپنے دل مین شانتی کی طرف ایک کشش سی محسوس کرتا تھا۔ لیکن یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ اس کشش کی وجہ کیا ہے اور اس کشش کا جذبات انسانی پر کیا اثر ہوتا ہے اور یہ کشش انسانی زندگی فنا کر دینے پر کہان تک قادر ہے۔ وہ یہ کچھ نہ جانتا تھا۔ وہ ابھی کم عمر تھا وہ یہ کچھ نہ سمجھ سکتا تھا۔

شانتی ایک بھولی بھالی، کمسن اور حسین لڑکی تھی۔ جو پریم سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ وہ بھی اپنے دل مین یہ بات ضرور پاتی تھی کہ پریم کے بغیر کسی کھیل کود مین اس کا دل نہین لگتا۔ پریم کے بغیر اُسے کھانے مین مزہ نہیں آتا اور جب پریم کو کوئی بےچینی ہوتی ہے تو اُسے بھی ایک اضطراب سا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی چھوٹی عقل مین نہ آتی تھی۔ جذبات انسانی کو اس کے صحیح معنون مین سمجھ لینا ابھی اس جیسی لڑکی کا کام نہ تھا۔ ان دونون کی محبت معصوم تھی، گناہون سے مبرا تھی۔ عیوب سے پاک تھی۔

جب شانتی اور بڑی ہوگئی اور پریم بھی سمجھدار ہو گیا تو مہاراجن نے دونون کی یکجائی کو مناسب نہ سمجھا۔

دونون کے برتاؤ۔ اور ارتباط کو دیکھکر ان کو گمان ہوا کہ شاید یہ ہم جلیسی آئندہ چلکر مفید نہ ثابت ہو اور اس لئے انھون نے مہاراج سے کہا کہ پریم کو الگ کردو۔ وہ سمجھدار ہو گیا ہے اور اپنا کاروبار خود کر سکتا ہے اتنے بڑے لڑکے کا گھر مین رہنا ٹھیک نہین ۔ مہاراج نے سنا اور زیادہ توجہ نہ کی ۔ جب مہاراجن کہتین ۔ تو وہ یہ کہکر ٹالدیتے کہ ابھی کیا جلدی ہے ۔ پڑا ابھی رہنے دو۔ اپنا کیا نقصان ہوتا ہے ۔ اور اسی مین دو برس گذر گئے ۔

لیکن مہاراجن کو چین نہ آیا ۔ وہ دل ہی دل مین مضطرب رہنے لگین ۔ اس اثنا مین پریم اور شانتی ایک دوسرے کی محبت کو زیادہ اچھی طرح سمجھنے لگے تھے ۔ ان مین بے تکلفی پہلے ہی موجود تھی اور اب اس مین اضافہ ہونے لگا ۔

مہاراجن نے دونون کے غیر معمولی برتاؤ اور محبت سے تاڑ لیا کہ دال مین کالا ضرور ہے اور انھون نے کوشش کی کہ جلد ہی اس آنیوالی مصیبت کی جڑ کاٹ دین ۔ آخرکار انھون نے مہاراج کو اچھی طرح سمجھا یا بجھایا مہاراج نے بھی اب مناسب سمجھا اور نہایت نرم لہجہ مین پریم سے کہکر اس کو الگ کر دیا ۔ اور اپنے ایک دوست کے پاس بہت معمولی تنخواہ پر نوکر رکھا دیا ۔ ابھی اس کی عمر صرف اٹھارہ برس ہی کی تھی کہ اس کے نازک کاندھون پر ملازمت کا گران بار رکھدیا گیا ۔

ٹھاکر صاحب کے مرنے پر ان کی تمام زمین اور جائداد وغیرہ قرض مین چلی گئی ۔ اس لئے بیچارے پریم کو محنت مزدوری پر زندگی گذارنی پڑی ۔ اس علحدگی سے اُسے جو صدمہ ہوا اُسی کا دل جانتا تھا ۔ شانتی بھی کچھ کم غمگین نہ تھی ۔ مگر ماں کے ڈر سے کسی پر اپنی بیچینی کا اظہار نہ ہونے دیتی تھی ۔ اور دل ہی دل مین اس آتش فرقت سے جل رہی تھی ۔ مچل رہی تھی اور ضبط کر رہی تھی ۔ آنسوؤن کو پی پی کر بھڑکی ہوئی چنگاریون کو بجھاتی تھی ۔ کوئی ہم جلیس نہ تھا ۔ کوئی مونس و غمخوار نہ تھا ۔ کہتی تو کس سے کہتی اور کیا کہتی ۔ غرض اس بیچاری کی ایسی ہی حالت تھی کہ جیسے کوئی کانٹون پر گھسیٹا جا رہا ہو اور اُسے منہ سے اُف کرنے کی اجازت نہ ہو ۔

(۲)

پریم کو شانتی سے جدا ہو کر اب کامل دو سال ہو چکے تھے اس اثنا مین وہ اکثر شانتی کے گھر جایا کرتا تھا ۔ ایک تو اس غرض سے کہ یہ اس کا فرض تھا کہ اپنے محسن کو فراموش نہ کرے دوسرے یہ کہ شاید شانتی کی کوئی جھلک نظر آجائے ۔ جب وہ مہاراج کے یہان جاتا تو مہاراج اور مہاراجن دونون اس سے نہایت محبت آمیز برتاؤ کرتے تھے ۔ وہ جب گھر مین جاتا تو ایک خود فراموشی کے عالم مین رہا کرتا تھا ۔ وہ لوگون کی باتین سنتا تھا ۔ مگر کچھ سمجھ مین نہ آتا تھا ۔ وہ سب کچھ دیکھتا تھا مگر کوئی چیز اُسے صاف اور منور نظر نہ آتی تھی اور وہ نہایت خاموش اور مبہوت بیٹھا رہتا ۔ مگر اس کی متجسس نگاہین شانتی کے لئے گھر کا کونا کونا چھان ڈالتی تھین ۔ شانتی کی ایک جھلک کے لئے وہ بہت بیچین رہا کرتا تھا ۔ شانتی کو پریم کی موجودگی مین باہر آنیکی

اجازت نہ تھی۔ نہ وہ اس سے مل سکتی تھی۔ مگر پریم کے آنے کی خبر سنکر وہ بہت مسرور ہو جاتی، اور گو یہ مسرت عارضی ہوتی تاہم اُسے اس مین کافی لذت محسوس ہوتی تھی۔ صرف پریم کی آمد ہی اس کی بیچینی کو کسی حد تک کم کر دیتی تھی۔ اور جب تک وہ گھر مین رہتا اُسے ایک قسم کا سکون اور اطمینانِ قلب نصیب ہو جاتا تھا۔

پردہ کے اندر بند رہنے سے بعض اوقات وہ نہایت گھبرا جاتی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ کسی طرح پریم کو دیکھ لے۔ اس شوق مین وہ اکثر، جب دیکھتی کہ ماتاجی کسی اور طرف ہین اور پتاجی بھی باہر ہین، کھڑکیون اور دروازون سے جھانک لیتی۔ بعض اوقات پریم اور شانتی کی نگاہین ایک ہی وقت ایک دوسرے پر پڑتین۔ اور آنکھون ہی آنکھون مین ایک دوسرے سے اپنے دل کا حال کہدیتین۔ اور جب پھر پردہ حائل ہو جاتا تو شانتی کی آنکھون سے آنسو بہنے لگتے۔ اور پریم بھی جذبات کے سیلاب کو نہ روک سکتا۔ اُس کی یاس آگین آنکھین بھی پُرنم ہو جاتین۔ لیکن وہ فوراً پونچھ ڈالتا۔ اب زیادہ ٹھہرنے کی تاب اپنے مین نہ پاتا۔ اور اس ڈر سے کہ شاید آنسوؤن کا طوفان طاقتِ ضبط سے باہر ہو جائے وہ کسی بہانے فوراً گھر سے باہر چلا جاتا۔

(۴)

کچھ عرصہ گذر گیا اور اب شانتی کی شادی بیاہ کا تذکرہ گاؤن کے لوگون مین ہونے لگا لیکن ابھی یہ طے نہ پایا تھا کہ کس کے ساتھ شادی ہوگی؟ پریم نے بھی شادی کا حال سنا اور اپنا دل تھام کر رہ گیا وہ بالکل بے بس تھا وہ اس معاملہ مین کچھ نہ کر سکتا تھا۔ وہ شادی کے متعلق اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ مہاراج اُس جیسے غریب کو اپنی بیٹی کیون دینے لگے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ گو مہاراج نے پریم سے ابتک نہایت اچھا اور قابلِ ستائش سلوک کیا تھا۔ لیکن وہ یہ بات پسند نہ کرتے تھے کہ ایسے مفلس کو اپنی بیٹی دیکر اس کا جنم اکارت کرین۔ وہ برہمن تھے اور دوسری ذات کے ساتھ شادی کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔

پریم اب بالکل مایوس ہو گیا۔ اس نے یقین کر لیا کہ اب شانتی کبھی اس سے نہ مل سکے گی۔ اور وہ آیندہ ہمیشہ کے لئے اس کی دید سے محروم کر دیا جائیگا۔ مگر وہ اپنے دل کو کیسے تسلی دیتا۔ وہ اپنی بیتابی کو کس طرح دفع کرتا۔ شانتی کی محبت پتھر کی لکیر تھی۔ اور اُسے لوحِ دل سے مٹا دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کی محبت کو بھول جانا اس کی طاقت سے بعید تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے سوچا کرتا کہ اب کیا ہوگا۔ وہ کس طرح شانتی کو بغیر دیکھے زندہ رہ سکیگا۔ اور زندہ بھی رہا تو اس کی زندگی مین لطف ہی کیا ہوگا۔ اس کی زندگی بالکل ایک مصنوعی انسان کی سی ہوگی۔ جس مین بظاہر حرکت ضرور ہوگی لیکن جسکا باطن بالکل بے جان اور بے حس ہوگا۔

شانتی اس معاملہ مین دم نہ مار سکتی تھی۔ وہ شکاری کے پرندہ کی مانند تھی۔ کہ جہان بند کر دی جائے وہان رہے اور جسے دیدی جائے اس کے ساتھ چلی جائے۔ اور لب پر آہ و فغان نہ لائے۔ خواہ اس کا مستقبل

تکلیف آمیز ہو یا مسرتناک، خواہ وہ کانٹون پر گھسیٹی جائے یا پھولون مین تُلے۔

چند دنون کے بعد جگت پور ہی کے ایک برہمن خاندان مین شانتی کی بات چیت لگ گئی۔ اور اب اعلیٰ پیمانہ پر شادی کی تیاریان شروع ہو گئین۔ جون جون شادی کے دن قریب آتے جاتے تھے۔ شانتی اور پریم کی بیتابیون اور بیقراریون مین اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ پریم کو شادی کی تمام تیاریان اپنی موت کا سامان نظر آ رہی تھین۔ وہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس آنیوالی مصیبت سے ٹکرا کر کہانتک جانبر ہو سکے گا۔ اور وہ اس اُٹھنے والی آندھی کے جھونکون سے آپنے آپکو کیونکر محفوظ رکھ سکے گا۔ اس کے دماغ مین کوئی تدبیر نہ آتی تھی۔

اس اثنا مین مہاراج کسی ضرورت سے کہین باہر چلے گئے اور اب صرف مہاراجن اور شانتی اکیلی رہگئی تھین یا دو ملازم۔ ایک بڑھیا جو گھر مین کھانا وغیرہ پکاتی تھی دوسرا ایک لڑکا جو باہر کا کام کاج کیا کرتا تھا۔ شادی کو تھوڑے ہی دن باقی رہگئے تھے کہ مہاراجن بیمار پڑ گئین۔ انھین بخار آنے لگا اب پریم کے لئے اچھا موقع تھا اس نے حالت دیکھی تو دن دن بھر مہاراجن کے یہان رہنے لگا اور دوا علاج مین بہت مستعدی ظاہر کرنے لگا۔ وہ وید اور حکیمون کو بلا کر لاتا۔ مہاراجن کو دکھاتا۔ اور خود ہی جاکر بازار سے دوا لاتا۔ اور آپ ہی مہاراجن کو پلاتا۔ اس پریشانی اور تکلیف کے وقت مہاراجن نے پریم اور شانتی کے پردہ کا زیادہ خیال نہ کیا۔ اور کئی مرتبہ خود مہاراجن کے سامنے پریم اور شانتی کا آمنا سامنا ہو گیا۔ لیکن شانتی مان کے ڈر سے فوراً پردہ مین چلی جاتی تھی۔

شانتی کی اُٹھتی جوانی اور بھولی صورت دیکھ دیکھ کر پریم اب اور زیادہ بیتاب ہونے لگا۔ اور شادی کے خیال سے تو اسکے سینے پر سانپ ہی لوٹ جاتا تھا۔ اور وہ کلیجہ پکڑ کر رہ جاتا تھا۔ بعض وقت جب مہاراجن شدتِ بخار سے غافل پڑی رہتین۔ یا سو جاتین اور پریم آجاتا تو شانتی سے خاموش نہ رہا جاتا۔ وہ فوراً دروازہ کھولدیتی، پردہ سرکا دیتی اور دونون ایک دوسرے کو دیکھنے مین گھنٹون محو رہا کرتے۔ مگر بات نہ کر سکتے تھے۔ انھین یہ خوف لگا رہتا کہ کہین مہاراجن غفلت سے چونک نہ پڑین۔ یا کوئی اور آکر دیکھ نہ لے۔ اکثر بار خود جذبات سے مغلوب ہو کر پریم شانتی کو دیکھتے دیکھتے اس کے قریب بھی پہنچ جاتا اور جوش محبت سے چاہتا کہ شانتی ایک ہی بار اپنے سینے سے لگا لے۔ مگر فوراً ہی کسی خیال سے وہ رُک جاتا۔ اس کے تمام جسم مین لرزہ پیدا ہو جاتا اور وہ جون کا تون کھڑا رہجاتا۔ شانتی پریم کی اس دیوانگی کو دیکھکر آپے مین نہ رہجاتی۔ وہ اس کی بیخودی کو دیکھکر خود بدحواس ہو جاتی۔ اور اپنا ہاتھ پریم کی طرف بڑھا دیتی کہ وہ اُسے بوسہ دیکر اپنے بیتاب دل کی تسکین کرے۔

(۵)

پریم اور شانتی کے لئے یہ آخری اور نہایت خوشگوار لمحے تھے جنھین وہ نہایت قدر سے دیکھتے تھے۔ اور مسرور ہوتے تھے۔ شانتی نے اپنی شادی کی پُرشور اور طربناک گھڑیون کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دیا تھا۔ کیونکہ حقیقت مین وہ آنیوالی گھڑیان خود اس کے لئے مسرتناک نہ تھین۔ اور وہ انھین لمحون کو اپنی شادی کی فرحت افزا اور نشاط آگین گھڑیان سمجھنے

لگی تھی۔ جبکہ وہ پریم کو دیکھ سکتی تھی اور پریم اُسے۔

ایک روز مغرب کے بعد مہاراجن کا مزاج زیادہ ناساز ہوگیا جس سے شانتی کسی قدر گھبراگئی اور وہ پردہ کا خیال کئے بغیر پریم کی موجودگی مین ماں کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ پریم کی زندگی کا یہ سب سے زیادہ زرین موقع تھا۔ وہ اپنی محبوبۂ دلنواز کے رُخ زیبا کی سرور پاش تجلیون مین خود کو گم کئے دیرہا تھا۔ وہ اُسکے چہرے کی رنگینیون مین اپنی تشنہ نگاہون کو پیوست کئے دیرہا تھا۔ وہ اس کی ہلکی سی گھبراہٹ کی چمک مین اپنے آپ کو محو کئے دے رہا تھا۔ وہ ہمہ تن شانتی کے جلوہ مین محو ہوگیا۔ وہ چپ بیٹھا تھا اور اُسے خبر نہ تھی کہ کیا ہورہا ہے اور کیا ہونیوالا ہے۔ وہ بس شانتی کو دیکھ رہا تھا۔ اُسے مہاراجن کی فکر نہ تھی کہ وہ کس حال مین ہین۔ شانتی اپنی ماں کی غیر معمولی خاموشی سے ہراسان ہورہی تھی۔ اور کبھی کبھی شرمگین انداز سے پریم کو مخاطب کرکے کہتی "ذرا دیکھو تو ماتاجی کیسی چپ ہوتی جارہی ہین!" پریم اس مترنم اور محبت اگین آواز سے چونک پڑتا اور نرم لہجہ مین تسلی دیتے ہوے کہتا "نہ گھبراؤ شانتی۔ ماتاجی اچھی ہوجائینگی"

رات، دیہات کی رات نہایت پُر سکون ہوتی ہے، مگر آج کی رات نہایت ہیبتناک معلوم ہورہی تھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ ہرطرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت ماں بستر پر غافل اور بیہوش پڑی تھی۔ شانتی ایک طرف بیٹھی ماں کے چہرے کو حسرتناک انداز سے دیکھ رہی تھی۔ اور دوسری طرف پریم گم صم بیٹھا شانتی کی بدحواسیون کا مشاہدہ کررہا تھا۔

دروازہ گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ کھلا اور مہاراج کشن پرشاد اندر داخل ہوے۔ جو منظر انھین نظر آیا اس سے وہ بہت غضبناک ہوگئے۔ پریم کو رات مین شانتی کے پاس بیٹھا دیکھکر ان کی آنکھون مین خون اُتر آیا۔ اور ممکن تھا کہ وہ اپنا سارا غصہ پریم پر اُتار دیتے۔ لیکن فوراً ہی شانتی چلا اُٹھی۔ "پتاجی دیکھو ماتاجی کیسی چپ پڑی ہین شاید بیہوش ہوگئی ہین"، شانتی کی اس دردآمیز صدا نے ان کا غصہ فرو کردیا اور وہ فوراً ہی مہاراجن کی طرف متوجہ ہوگئے۔

پریم مہاراج کی اس اچانک آمد سے کچھ کم خوفزدہ نہوا۔ وہ مہاراج کے تیور ہی دیکھکر سمجھ گیا تھا کہ اب کوئی مصیبت ضرور آنیوالی ہے۔ اور وہ اس ڈر سے کانپنے لگا تھا۔ مہاراج کی پیٹھ پلٹتے ہی وہ چپکے گھر سے باہر نکل گیا۔ شانتی کی تو جان ہی پر آبنی تھی۔ اگر اس وقت مہاراجن کی یہ بُری حالت نہوتی تو معلوم نہین اس بیچاری پر کیا قہر ٹوٹتا۔

(۶)

مہاراج نہایت سرگرمی اور جانفشانی سے تیمارداری مین منہمک ہوگئے اور مہاراجن کی حالت روبصحت ہوچلی اب شادی کو صرف ایک ہفتہ باقی رہگیا تھا اس اثنا مین پریم روزانہ مہاراج کے پاس آتا ضرور تھا۔ لیکن گھر مین مہاراج کی اجازت کے بغیر نہ جاتا تھا۔

دو دن گذر گئے اور اب مہاراجن مین چلنے پھرنے کی سکت بھی آگئی تھی۔ مہاراج کے آنے کے بعد شانتی کو نہ تو پریم سے ملنے کا موقع ملا نہ وہ اُسے دیکھ ہی سکی۔ انھین دنون مین کرشن کی پوجا کا دن بھی آنیوالا تھا۔ اور اس روز مہاراجن

اور شانتی وغیرہ، بڑے مندر مین جاکر، جو گاؤن سے تھوڑی ہی دور باہر تھا، پوجا پاٹ کرتی تھین۔ اس روز مندر مین بہت ہجوم ہوا کرتا تھا اور میلہ بھی لگتا تھا۔ اس پوجا کے دوسرے ہی دن شانتی کا بیاہ ہونیوالا تھا۔ اور برات آنے والی تھی۔

شانتی کو اب شادی تک پریم سے ملنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ لیکن پوجا کا دن یاد آگیا اور اس سے وہ کسی قدر مسرور ہو گئی۔ اس کو اطمینان ہو گیا کہ بس آخری ملاقات کا یہی موقع ہے۔ اور اب وہ اس فکر مین رہنے لگی کہ پریم کو اس پوجا کے روز مندر مین بلائے اور اس سے آخری مرتبہ اپنی محبت کا اظہار کردے۔ ایک روز جب مہاراج باہر گئے تھے اور مہاراجن ایک کوٹھری مین سو رہی تھین۔ پریم مہاراج کے گھر آیا۔ شانتی کو جب معلوم ہوا تو اس نے بڑھی سے کہلا بھیجا کہ جاکر ان سے کہو تمھین ماتاجی بلا رہی ہین۔ اور وہ خود کوٹھے پر چڑھ گئی اور ایک کھڑکی سے پریم کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔ بڑھی بیچاری ایک سیدھی سادھی عورت اُسے کیا خبر کہ کیا معاملہ ہے اس نے جاکر پریم سے کہدیا۔ وہ ڈرتا ڈرتا اندر آیا۔ شانتی نے فوراً پان بھجوایا اور کہدیا کہ دیکھکر کھائین کہین چونا زیادہ نہو۔ اور خود کھڑکی مین سے جھانکنے لگی۔ پریم مہاراجن کی کوٹھری کی طرف گیا مگر انھین سوتا دیکھکر واپس جانے لگا۔ اس اثنا مین اُسکی نگاہ شانتی پر پڑ گئی وہ جھجک کر ٹھہرا۔ بڑھی نے پان لاکر دیا۔ اس نے جلدی سے لیا۔ اور مہاراج کے ڈر سے فوراً گھر سے نکلکر چلدیا۔ شانتی کے دل کی مراد بر آئی۔ اور وہ مسکرانے لگی پریم وہان سے نکلکر سیدھا اپنے گھر چلا آیا۔ اس سے قبل بھی اُسے پان کھانے کا موقع ملا تھا۔ مگر خود مہاراجن لگاکر دیا کرتی تھین۔ آج شانتی کے ہاتھ کا لگایا ہوا پان دیکھکر وہ خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ اس نے اُس پان کو آنکھون سے لگایا۔ چوما۔ سر پر رکھا۔ پھر بوسہ دیا۔ پھر آنکھون سے لگاکر آہستہ آہستہ اپنی مرتعش اور لاغر انگلیون سے کھولا۔ اسکے اندر ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس مین حسب ذیل تحریر تھی۔

میرے پریم۔ میری شادی کو صرف دو دن اور ہین پرسون کرشن جی کی پوجا ہے مین اور ماتاجی ضرور پوجا کی غرض سے بڑے مندر جائینگی۔ تم وہان کہین مندر کے قریب ہم سب کی نظرون سے پوشیدہ ہوکر ٹھہرنا اور میرا انتظار کرنا۔ مین تم سے آخری بار ضرور ملنے آؤنگی۔ پریم وہان ضرور آنا اگر تم نہ آئے تو مجھے بیحد صدمہ ہوگا۔

تمھاری شانتی

(۷)

آج کرشن کی پوجا کا دن تھا۔ تمام مندر چراغون اور پھولون سے روشن اور آراستہ تھا ہر طرف پجاریون کا اژدہام نظر آتا تھا۔ دُور دور سے لوگ پوجا کی غرض سے آئے تھے۔ مندر کے چارون طرف روشنی ہی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ دوکانین بہت آراستہ تھین۔ شور و غل ہو رہا تھا اور لوگ ادھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ غرض جنگل مین منگل ہو رہا تھا اور اتنے بڑے مجمع مین کسی کو تلاش کرنا بڑا دشوار کام تھا۔

شانتی بھی اپنی ماں اور نوکرون کے ہمراہ میلے مین وارد ہوئی۔ اُسے درحقیقت نہ میلے کی مسرتون سے دلچسپی تھی نہ پوجا کرنے کا شوق تھا۔ نہ وہ کچھ خریدنا چاہتی تھی اور نہ کسی کھیل تماشے سے اس کی دلبستگی تھی۔ اسکی

نگاہین صرف پریم کی متلاشی تھین - اور وہ سراپا پریم سے ملنے کے شوق مین ڈوبی ہوئی تھی۔ جب وہ لوگون کے اس ہجوم مین داخل ہوئی تو گھبرا گئی کہ ایسی بھیڑ مین پریم سے وہ کیونکر مل سکے گی۔ لیکن اس کے جذبۂ محبت اور شوقِ ملاقات کے آگے یہ ساری مشکلین ہیچ تھین۔ وہ ماں کی نظر بچا کر گھونگٹ کھول کھولکر لوگون کی طرف دیکھنے لگی اور پریم کو تلاش کرنے لگی۔

ماں کے ساتھ رہکر پریم کو تلاش کرنا یا اس سے ملنا غیر ممکن تھا۔ اس لئے وہ ماں سے الگ ہو جانا چاہتی تھی۔ ابھی وہ سب مندر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ لوگون مین مندر کے اندر جانے کی کشمکش شروع ہو گئی۔ اور ایک مرتبہ ایسی زور کا ریلا آیا کہ شانتی ماں سے الگ ہو گئی۔ اب وہ جلد جلد وہاں سے قدم اُٹھانے لگی۔ اس نے اپنا گھونگٹ اُلٹ دیا۔ اور جدھر لوگون کی کثرت نہ تھی اُس طرف ہر شخص کو غور سے دیکھتی ہوئی بڑھنے لگی۔ چلتے چلتے وہ مندر کی پشت پر پہنچ گئی۔ پریم بھی ایک طرف ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا ہر آنے جانیوالی عورت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنا سر اور چہرہ کپڑون سے اس طرح چھپائے ہوئے تھا کہ کوئی اُسے پہچان نہ سکتا تھا۔ شانتی پر اس کی دور بین نظر جا پہنچی۔ وہ ٹیلے پر سے اُتر آیا اور شانتی کی طرف بڑھا۔ وہ شانتی کے پاس پہنچ گیا۔ شانتی اُسے دیکھکر مسرور ہو گئی۔ اور اُس نے اپنا گھونگٹ آگے کر لیا۔ پریم کو اس وقت کسی کا خوف نہ تھا۔ وہ انجام پر غور کئے بغیر شانتی کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ "آہ شانتی تم آگئین"۔ شانتی نے کسی قدر مبہوت اور گھبرائی ہوئی آواز مین کہا "چپ رہو پریم۔ کوئی سُن نہ لے۔ چلو کہین دُور چلکر باتین کرین" اس کے بعد پریم نے کچھ نہ کہا اور وہ آہستہ آہستہ ایک سمت مین چلنے لگا شانتی بھی اُسکے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔

اس ہنگامۂ محشر نما اور مندر سے کچھ دُور پر ایک چھوٹی پہاڑی تھی، جدھر لوگون کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ یہاں تاریکی بھی تھی اور دوکانین بھی دو ایک سے زیادہ نہ تھین۔ پریم شانتی کو ساتھ لئے ہوئے اس پر چڑھ گیا۔ اور وہ دونون سب کی نظرون سے چھپ گئے۔ اب شانتی مین زیادہ چپ رہنے کی تاب نہ تھی۔ اس نے فوراً اپنا چہرہ پوری طرح عریان کر دیا۔ اور پریم کو آرزومند اور حسرت آگین نگاہون سے دیکھنے لگی۔ پریم بھی کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اسنے شانتی کے دونون ہاتھ پکڑ کر زمین پر بٹھا دیا۔ اور بولا۔ "میرے دل کی شانتی اس پتھریلی زمین پر بیٹھنے مین کوئی تکلف نہ کرو یہ زمین آج ہمارے لئے بہت مقدس اور مبارک ہے۔" شانتی نے جواب دیا: "پریم۔ میرے پریم اگر تم مجھے کانٹون پر بیٹھنے کو بھی کہدو تو مجھے انکار نہ ہوگا یہ تو زمین ہی ہے" پریم نے جوش مین آکر اُسے اپنی محبت نواز آغوش مین لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور چند منٹ تک دونون خاموش رہے۔ پھر پریم نے دردانگیز لہجہ مین کہا۔ "شانتی کل تم بیاہ دی جاؤ گی اور مین ہمیشہ کیلیے تم سے چھوٹ جاؤنگا" شانتی یہ الفاظ سنکر بیتاب ہو گئی مگر وہ پریم کو تسلی دیتے ہوئے بولی "پریم مین تم سے جدا ہونے والی نہین ہون۔ یہ تو قسمت مین لکھا ہوا تھا کہ مین کسی اور سے بیاہ دی جاؤن۔ مگر پریم تمھاری محبت شادی کے بعد بھی مین تم سے ملتی ہونگی۔ پریم میرے شادی ہماری محبت مین کوئی فرق نہین پیدا کر سکتی۔" پریم نے کہا "ہاں میری پیاری

شانتی۔ میری شانتی تم سچ کہہ رہی ہو۔ میری بھولی لڑکی، تمھارے من مین پریم کی محبت ضرور ہے لیکن تم اپنے من کی بات نہ کر سکو گی۔ تمھین اپنے سوامی کی اطاعت کرنی پڑیگی۔ جو کچھ وہ کہیگا وہی کرو گی"، شانتی نے جواب دیا۔ "پریم میرے ایک استری کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ وہ اپنے سوامی کی دل وجان سے فرمانبرداری کرے۔ لیکن پریم میرے۔ مین کسی اور کی استری ہو جاؤن گی تو کیا ہوا۔ میرے جسم پر میرے شوہر کا قبضہ ضرور ہو گا۔ مگر میری رُوح کے تم اکیلے مالک ہو۔ اس پر کسی کا قبضہ نہین ہو سکتا"، پریم شانتی کے اس جواب سے بیحد متاثر ہو گیا اور وہ دیوانگی کے عالم مین چلا اُٹھا۔ "شانتی۔ شانتی۔ میری اچھی شانتی" اور یہ کہکر اس نے پھر ایک بار اُسے لپٹا لیا۔ اور دونون کی آنکھون سے آنسو بہنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد پریم نے شانتی سے جدا ہوتے ہوئے کہا۔ "شانتی تم میرے دل کی ملکہ ہو۔ دنیا مین، مین صرف تمھین چاہتا ہون۔ اور کسی سے مجھے محبت نہین ہے۔ مگر۔ مگر شانتی یہ جدائی یہ فرقت کی گھڑیان کیسے کٹین گی۔؟" شانتی نے حسرت بھرے لہجہ مین جواب دیا۔ "پریم۔ پرماتما کانٹے والا ہے۔ تم زیادہ بیچین نہو۔ مین تم سے ضرور آکر ملا کرونگی"، پریم بیتابی کے انداز سے بولا۔ "شانتی پرماتما نے تمھاری محبت کیون دی تھی۔ مجھے۔ ہائے اگر جدا ہی کرنا تھا تو تمھاری محبت کا پرستار نہ بنایا ہوتا"، شانتی نے نہایت نرم اور تسکین وہ لہجہ مین کہا۔ "پیارے پریم تم سچ کہتے ہو۔ مگر ایشور کی مصلحتون مین کسی کو کیا دخل اس نے ہماری قسمتون ہی مین جدائی لکھدی تھی۔ پھر ہم کیا کر سکتے ہین"، پریم بولا۔ "تمھارے بغیر مجھے چین نہ آئیگا۔ شانتی مین دیوانہ ہو جاؤنگا۔" شانتی نے کہا۔ "ایسا نہ کہو پریم۔ تمھاری ان باتون سے میرے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ تم صبر کرو جس نے ہمین یہ غم دیا وہی دُور بھی کر دیگا۔ پریم پریم تم رو رہے ہو؟" پریم نے روتے ہوئے جواب دیا۔ "شانتی۔ شانتی رو رہا ہون اپنی قسمت کو۔ اپنے پھوٹے بھاگون پر آنسو بہا رہا ہون"، شانتی بولی۔ "مگر اس وقت کو غنیمت سمجھو۔ اس کی قدر کرو۔ اور اسے آہ وزاری مین ضائع نہ کرو۔" پریم نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "ہان سچ کہہ رہی ہو شانتی۔ میری پیاری ہان مجھسے اچھی اچھی باتین کرو مین اب نہ رُوؤنگا۔ اور شانتی یہ تو بتاؤ تم یہان میرے ہان اکیلے کیسے آسکین؟" شانتی نے جواب دیا۔ "مین لوگون کی بھیڑ مین اتفاقاً ماتاجی سے الگ ہو گئی اور تم کو ڈھونڈتی ہوئی یہان تک آپہنچی۔ پریم تمھاری کشش نے ساری مشکلین آسان کر دین۔" پریم بولا۔ "پھر تمھاری ماتاجی تمھین ڈھونڈتی ہون گی؟" شانتی نے جواب دیا "ہان ضرور۔ مگر مین اب یہان سے گھر چلی جاؤنگی۔ کیونکہ انھین اب مین کہان تلاش کرتی پھرونگی" پریم نے کہا۔ "اس سے کہین وہ کچھ اور نہ خیال کرین؟" شانتی نے اطمینان دیتے ہوئے کہا۔ "نہین پریم تم اس کا کچھ خوف نکرو۔ مجھپر کوئی آفت نہین آسکتی۔ پیارے پریم میری سمجھ مین خود ہی نہین آتا۔ کہ تمھارے بغیر میری زندگی کن مصیبتون کی آماجگاہ بنجائیگی۔" پریم نے مضطرب انداز سے جواب دیا۔ "شانتی بتاؤ پھر مین تمھارے لئے کیا کرون؟۔ مین تمھارے آرام کے لئے کیا کر سکتا ہون؟" شانتی نے اپنا سر اُٹھا کر پریم کو دیکھا اور دیکھتی رہی۔ پریم بُت کی طرح ساکت آنکھون مین آنکھین ڈالے بیٹھا رہا۔ کسی کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلتی تھی۔ پھر پریم نے مایوسانہ لہجہ مین کہا۔ "شانتی مین اب کبھی

تمھین نہ دیکھ سکونگا” شانتی نے جوابدیا ”نہین اس قدر مایوس نہو۔ تم مجھے جب چاہو دیکھ لوگے۔ تم کیون بلاوجہ نا اُمید ہوئے جارہے ہو؟“ پریم نے کہا ”مگر۔ مگر مین ڈرتا ہون کہ شادی کے بعد شاید تم مجھے بھول جاؤ“ شانتی نے رنجیدگی سے جوابدیا ”مجھے ایسی باتون سے صدمہ ہوتا ہے۔ نہ کہو پریم۔ تم مجھے ایسی بے وفا ہستی نہ سمجھو۔ میری زندگی صرف تمھاری یاد سے وابستہ ہے۔ پریم۔ پریم شانتی تمھین تمام عمر نہین بھول سکتی“ پریم فرطِ انبساط اور جوشِ محبت سے چلا اُٹھا ”تم کبھی نہ بھولوگی۔ میری شانتی تم مجھے کبھی نہ فراموش کروگی؟“ شانتی نے سر اُٹھا کر پریم کی طرف درد بھری نظرون سے دیکھا اور محبت آگین لہجہ مین کہا ”کبھی نہین“ یہ جواب سنکر پریم نے اُسکا نازک اور سیمین ہاتھ اُٹھا لیا اور اپنے تشنہ ہونٹون کی طرف بڑھانے لگا کہ اُسے بوسہ دے لیکن ابھی ہونٹون نے اس کے ہاتھ کو مس بھی نہ کیا تھا کہ پریم یکدم ساکت ہوگیا۔ اور آنکھین پھاڑ کر ہاتھ کو دیکھنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے ہاتھون مین کالا ناگ پکڑے ہوئے ہے اُس نے گھبرا کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

پریم کی اس حرکت سے شانتی متحیر ہوگئی۔ اس نئی وحشت سے وہ زیادہ مضطرب ہوگئی اُس نے تعجب سے پوچھا ”پریم۔ پریم یہ کیون؟“ پریم نے متانت سے جوابدیا ”اب یہ میرا حق نہین ہے۔ شانتی اب یہ کسی اور کی ملکیت ہے“ شانتی نے بیخود ہو کر کہا ”نہین پریم۔ مین اجازت دیتی ہون۔ ابھی تمھین حق حاصل ہے ابھی مین تمھاری ملکیت ہون۔ کل سے نہ رہونگی“ پریم بولا ”نہین شانتی اب میری جرأت نہین کہ تمھارے جسم کو ہاتھ لگا سکون۔ بس اور مین کچھ نہین چاہتا تم سے۔ شانتی مجھے اپنے دل سے نہ مٹانا“ شانتی بیچین ہو کر بولی ”پریم آخر ابھی سے تم کیون مجھسے نفرت کرنے لگے۔ میرے ہاتھون کو کیا ہوگیا؟“ پریم نے جواب دیا ”کچھ نہین شانتی۔ کچھ نہین۔ مگر اب تم پر میرا کوئی حق نہین ہے۔ مجھے کرشن جی نے آکر منع کردیا۔ بس شانتی یہ ہماری آخری ملاقات ہے اور اب تم جاؤ۔ ایشور تم کو چین اور سکھ دکھائے“۔

کرشن کا نام سنکر شانتی کے معصوم اور منور آنکھون سے آنسوؤن کی جھڑیان لگ گئین اور وہ چپکے چپکے خوب روئی۔ پریم بے حس وحرکت بیٹھا دیکھتا رہا۔ اپنے آپ کو اس کے آنسوؤن مین غرق کرتا رہا اور کچھ نہ بولا۔ شانتی نے ساری کے ایک کونے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ”پریم تو مین اب جارہی ہون اور آخری مرتبہ تم سے کہتی ہون کہ میرے لئے تم اپنا دل نہ کڑھانا۔ مین تمھاری ہون اور ہمیشہ تمھاری ہو کر زندہ رہونگی۔ تم جب چاہو مجھے دیکھ سکتے ہو“ پریم بولا ”شانتی۔ میری شانتی جدائی کی تاب کسے ہے۔ مگر کرشن جی کا حکم ہے اور اب تم اپنے گھر جاؤ۔ مجھپر جیسی گذرے گی پرماتما مالک ہے۔ چلو اُٹھو۔ کیا مین تمھین مندر تک پہنچا دون؟“ شانتی نے جوابدیا ”نہین پریم اب مین مندر اور میلے جا کر کیا کرونگی۔ تم مجھے گھر ہی تک پہنچا دو تو اچھا ہے“ پریم نے اُٹھتے ہوئے کہا ”مین پہنچانے کے لیے تیار ہون۔ مگر شانتی مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہین کوئی ہمین دیکھ نہ لے“ شانتی بولی ”ہان یہ ڈر ضرور ہے لیکن تم مجھے گھر سے کچھ دُور چھوڑ دینا وہان سے مین اکیلی چلی جاؤنگی۔ تم اپنا منہ کپڑے مین چھپا کر آگے آگے چلو“ پریم نے جوابدیا ”اچھا چلو“ یہ کہکر پریم اور شانتی

ٹیلے پر سے اُتر آئے۔ اور گھر کی طرف جلد جلد قدم اُٹھانے لگے۔

(۸)

شادی کا روز تھا۔ اور مہاراج کشن پرشاد کا گھر، مسرتون اور خوشیون کا گہوارہ بنا ہوا تھا ہر طرف زرق برق پوشاکین نظر آرہی تھین۔ اور ہر شخص متبسم اور مسرور دکھائی دیتا تھا۔ شانتی دولہن بنی ہوئی بیٹھی تھی۔ مگر اس کا سارا دل گذشتہ ملاقات اور پریم مین لگا ہوا تھا۔ اور کو یادہ آنیوالی گھڑیون سے بالکل انجان تھی۔

پریم جب شانتی کو اُسکے گھر پہنچا کر اپنے جھوپڑے مین آیا تو اُسے کچھ کچھ حرارت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ آتے ہی سو گیا۔ حرارت بتدریج بڑھتی رہی۔ اور جب صبح اس نے آنکھ کھولی تو بخار اچھا خاصا چڑھا تھا۔

مہاراج پریم کا انتظار کر رہے تھے لیکن جب بہت عرصہ تک بھی وہ نہ آیا تو انھون نے ایک آدمی کو اُسے بلانے کے لئے بھیجا۔ اُس آدمی نے جاکر دیکھا تو پریم ایک چارپائی پر چادر مین لپٹا پڑا تھا۔ اُس نے چادر کھولکر اُسکے بازؤن کو پکڑا اور ہلایا۔ پریم کا سارا بدن آگ کی طرح جل رہا تھا اور وہ بالکل غافل پڑا تھا۔ اس آدمی نے زیادہ جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے اُسی حالت مین چھوڑ کر وہ مہاراج کے پاس واپس گیا اور ان سے کیفیت کہدی۔ مہاراج شادی کے جھگڑون مین پڑے تھے انھون نے زیادہ توجہ بھی نہ کی۔

جب برات رخصت ہونیوالی تھی تو مہاراج نے پھر ایک بار پریم کے پاس آدمی بھیجا۔ لیکن پریم کی حالت بدستور تھی۔ بخار مین کوئی تنزل نہ تھا۔ اور اُسے بالکل ہوش نہ تھا۔ دن بھر وہ اسی بخار مین بیدم پڑا رہا۔ رات بھی ہوگئی مگر وہ نہ چونکا۔ اس وقت کوئی اس کے حلق مین پانی ٹپکانے والا بھی نہ تھا۔ ساری رات شدتِ بخار سے وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔

(۹)

شانتی کی شادی ہوگئی اور وہ اب اپنی سُسرال چلی گئی۔ شنکر لال رام نگر مین ملازم تھا جب اُس کی رخصت ختم ہوگئی۔ تو وہ شانتی کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔

پریم کے لئے یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اسنے پریم کی زندگی مین ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے لوگون سے ملنا جُلنا چھوڑ دیا۔ اور نوکری سے واپس آنیکے بعد تمام وقت اپنے جھوپڑے مین پڑے پڑے گذارنے لگا۔ وہ کسی کھیل اور تماشہ سے دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ اور اب ہفتون گذر جاتے تھے مگر وہ مہاراج کے یہان بھی نہ جاتا تھا۔ اس اثنا رمین شانتی کا حسب ذیل خط آیا۔

"میرے پریم۔ مین تمھین دیکھنے کو بہت تڑپتی ہون۔ میرے شوہر نے تمھین بُلانیکی اجازت دیدی ہے۔ تم آکر مجھے دیکھ سکتے ہو"

پریم نے خط پڑھا تو اس کی بےچینی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُسکا سر چکرانے لگا اس نے اپنے دل کو اپنے دونون پنجون سے مسل ڈالا۔ اور آہ بھر کر رہگیا۔ اس خط سے محبت کی دبی ہوئی چنگاریان بھڑک اُٹھین اور وہ آنسو بہانے لگا۔

اس خط کے بعد اکثر اسی قسم کے خطوط آتے رہے۔ اور اُن کو پڑھکر پریم کی حالت دیوانون کی سی ہوجایا کرتی تھی۔ مگر معلوم نہین کیا خیال کرکے وہ جواب نہ دیتا تھا۔ لیکن جب شانتی کے خطوط کی بھرمار ہونے لگی تو اس نے بہت جبر کر کے جواب لکھا۔

"...........ش"

"تمھارے سب خطوط مل چکے ہین۔ مین انکا کیا جواب دون۔ تمھین شاید ناگوار ہوگا۔ مگر بہتر یہی ہے کہ تم مجھے بھلادو۔ اور جو وقت میری یاد مین گذارتی ہو وہ اپنے شوہر کی راحت و آرام کے خیال اور فکر مین صرف کردو۔ مین جانتا ہون کہ اس تحریر سے تمھین صدمہ ضرور ہوگا۔ مگر مین بالکل مجبور ہون۔ مین اپنی موجودگی سے تمھارے موجودہ سکون کو پراگندہ کرنا نہین چاہتا۔ اور اس لئے مناسب یہی ہے کہ ایک ایسے انسان کو، جسکا اب تم پر کوئی حق نہین ہے اور جس سے نہ اب تمھین کوئی اُمید رکھنی چاہئے، بھول جاؤ۔ شاید اب تمھین اور کوئی خط بھیجنے کی ضرورت محسوس نہو گی" "پریم"

۱۰

چار برس گذر گئے۔ یکایک جگت پور مین طاعون پھیلا اور مہاراج اور مہاراجن دونون اس دنیا سے چل بسے اب ساری جائداد کی مالک شانتی اکیلی تھی۔ جب مہاراج اور مہاراجن بیمار تھے تو شانتی جگت پور آئی تھی اس کے علاوہ بھی وہ کئی بار ماں باپ سے ملنے آچکی تھی اور یہان آنیکے بعد اُس نے پریم کو بلایا بھی تھا۔ مگر وہ پھر کبھی نہ آیا۔

جائداد بہت مختصر سی تھی۔ لیکن پھر بھی شانتی کے لئے بہت کافی تھی۔ اسے پالینے کے بعد شانتی نے پریم کو ایک بار پھر لکھا۔

"پریم میرے۔ تم جانتے ہو کہ میرے ماں باپ اب زندہ نہین اور جو کچھ تھوڑا بہت سرمایہ وہ چھوڑ گئے ہین اس کی اب تک اکیلی مین ہی ہون۔ مین تمھین اپنی زمین وغیرہ کا مختار بنانا چاہتی ہون اور کچھ جائداد تمھارے نام لکھنا چاہتی ہون۔ بہتر ہوگا کہ تم مجھسے آگر مل لو۔ اور میرے اس ناچیز ہدیہ کو قبول کرو" "تمھاری شانتی"

پریم نے جواب دیا "........ش۔ مجھے نہ جائداد کی خواہش ہے نہ مال و دولت کی۔ پرماتما سب تمھین مبارک کرے۔ مین اب اس قابل بھی نہین ہون کہ جائداد کا کام سنبھال سکون۔ میری صحت اچھی نہین رہتی نہ ہوش و حواس بجا رہتے ہین۔ اُمید ہے کہ معذور سمجھکر تم مجھے معاف کردوگی۔" "پریم"

دن و رات، ہفتے اور مہینے اسی طرح گذرتے رہے۔ دنیا گردش کرتی رہی، موسم آتے جاتے رہے لیکن پریم کی حالت مین کوئی تغیر رونما نہوا۔ وہ وہی پریم تھا۔ اُسکی آہین وہی تھین اس کی خاموشی وہی تھی اور اس کی وحشت مین بھی کوئی تبدیلی

نہوئی تھی۔ صرف اسکی صحت ضرور انحطاط کی طرف مائل تھی اور وہ روز بروز نحیف و کمزور ہوتا جارہا تھا۔

شانتی سے جدا ہوکر اب پانچواں برس بھی ختم ہونے والا تھا۔ ایک دن شام کو جب پریم اپنے جھونپڑے کے باہر بیٹھا ہوا ندی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک آدمی اسکے پاس آیا اور اُس سے پریم کا پتہ پوچھنے لگا۔ پریم کے جواب پر اس نے ایک خط نکالکر اُسے دیا۔ پریم لے کر پڑھنے لگا۔

"پریم۔ یہ میرا آخری پیغام ہے۔ مین بستر مرگ پر پڑی ہوئی ہون۔ میرے سوامی یہان نہین ہین وہ یہان سے بہت دور ہین اور اسوقت ان کا آنا ناممکن ہے۔ اس وقت اگر مین مرجاؤن تو کوئی ایسا نہین جو میرے ننھے بچے موہن لال کی دیکھ بھال کرسکے۔ اور مین اپنے سسرال کے لوگون کو اس کے لئے مناسب نہین سمجھتی۔ مین اُسے تمھارے سپرد کردینا سب سے بہتر سمجھتی ہون۔ پیارے پریم میری اس آخری آرزو اور التجا کو نہ ٹھکرانا ورنہ مرنیکے بعد بھی چین نصیب نہوگا اب مین تمھارے لئے سراپا انتظار بنی رہونگی۔ میری روح جسم سے گھبرا گئی ہے اور وہ صرف تمھاری ملاقات کے لئے پھڑپھڑا رہی ہے۔

غم نصیب شانتی"

یہ تحریر پڑھکر پریم آپے مین نہ رہا۔ اس کی بیقراریان آنسو کی شکل مین سیلاب کی طرح بہنے لگین۔ وہ یہ پڑھکر بہت رویا۔ پھر اپنے جھونپڑے مین آیا۔ ایک مختصر گٹھری لی اور اس آدمی کے ہمراہ روانہ ہوگیا۔

(۱۱)

پریم کی موجودگی مین شانتی نے دنیا کو خیرباد کہا۔ پریم کے رنجور دل پر اس حادثۂ جانگاہ سے جو گہرا زخم لگا اُس کا اندازہ ناممکن تھا۔ وہ گرم ریت پر پڑی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ مگر موہن کی موجودگی سے اس کے درد مین کسی قدر کمی ہوگئی۔ وہ موہن لال کو اپنے گھر لے آیا۔ اور اچھی طرح اس کی پرورش کرنے لگا۔

اکثر اوقات موہن کو دیکھکر اس کے جذبات محبت مین ایک غیر معمولی تلاطم برپا ہوجاتا تو وہ موہن کو قہر و غضب کی نگاہون سے دیکھنے لگتا۔ وہ اپنی دونون مٹھیان بند کرکے، برہم ہوکر موہن کی طرف خونی نگاہون سے دیکھتا۔ وہ اُسے گھونسا مارنے کےلئے آگے بڑھتا۔ اُسے گھورنے لگتا اور چاہتا کہ ایک ہی حملہ مین اس کی رُوح کو قید حیات سے رہا کردے۔ مگر وہ اُسکے پاس پہونچتے ہی یک لخت ساکت ہوجاتا۔ وہ اُسے دیوانون کی طرح دیکھنے لگتا۔ اور کانپنے لگتا۔ پھر اپنی مٹھیان کھولدیتا۔ ہاتھ دونون نیچے چھوڑدیتا۔ پھر بیساختہ کھل کھلاکر ہنس پڑتا۔ جوش مین آکر موہن کو اپنی گود مین اُٹھالیتا۔ اُسے پیار کرنے لگتا۔ پیار کرتے کرتے اُسے شانتی کی یاد دامنگیر ہوجاتی۔ اور اس کی محبت نواز آنکھون مین آنسو بھر آتے۔

موہن کی عمر صرف چار برس کی تھی۔ وہ پریم کی ان مجنونانہ حرکات کو نہ سمجھ سکتا تھا وہ پریم کو یہ ہم دیکھکر ڈرجاتا تھا۔ مگر جب اُسے روتا دیکھتا تو اپنے ننھے ننھے ہاتھ اس کے منہ اور چہرہ پر پھیرنے لگتا۔ اس کے بڑے اور لمبے لمبے بالون کو اپنی انگلیون سے سُلجھانے لگتا۔ اس سے لپٹتا اور کھیلتا۔ موہن کے ان معصوم اور محبت آگین انداز و اطوار سے پریم چپ ہوجاتا

اور اُسکا غم کسی قدر گھٹ جاتا۔

پریم کو موہن کی راحت کا خیال بہت تھا۔ وہ اس کی خاطر اپنے آلام و مصائب، اپنی زندگی اپنی راحت، اور زندگی کی لذتوں اور مسرتوں کو بالکل بھول گیا تھا۔ وہ جو کرتا صرف موہن کے آرام کے لئے ہوتا تھا۔ رات مین اکثر جنگلی جانور، سیار، اور بھیڑیے وغیرہ مکان کے گرد بولا کرتے تھے۔ اور جب کبھی رات مین موہن کی آنکھ کھُل جاتی تو وہ سنکر ڈر جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے پریم سے کہا۔ "چچا بھیڑیے کی آواز سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے"۔ یہ سنکر اب پریم کو بھیڑیے کو مارنے کی فکر ہوگئی جو اب روزانہ آکر گھر کے اطراف پھرا کرتا اور چلا تا رہتا۔ اس نے دوسرے ہی دن گھر کی ایک دیوار سے ملا ہوا ایک بڑا پنجرہ تیار کیا۔ رات مین جب موہن سو گیا تو وہ اُسے گود مین اُٹھا کر دریا کے کنارے لے گیا۔ اور اُسے درختون مین ایک محفوظ مقام پر لٹا دیا اور واپس آکر گھر کا دروازہ کھولکر بھیڑیے کا انتظار کرنے لگا۔ آخر بھیڑیا آیا اور پریم نے اُسے پنجرے کے اندر بند کر لیا۔

موہن سوتے سوتے چونک پڑا وہ اُٹھ بیٹھا اور نیند کی حالت مین بلا خوف و خطر گھر کی طرف بھاگا اس نے گھر کا دروازہ کھولدیا۔ بھیڑیے کے پنجرے کا دروازہ اس دروازہ کی وجہ سے بند تھا۔ پریم ابھی یہان سے اٹھا بھی نہ تھا کہ دروازہ کھُلا۔ بھیڑیے کے دروازہ کا کھٹکا بھی ساتھ ہی کھُل گیا۔ دروازہ ایک طرف گر پڑا اور پریم بھیڑیے کے قریب جا پہنچا موہن کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ وہ جلدی سے اوڑھ کر لیٹ رہا۔

پریم جب بھیڑیے کے پنجرہ سے باہر نکلا تو اس کی بُری حالت تھی۔ اسکا تمام جسم خون مین لت پت تھا۔ اس کے تمام کپڑے پھٹ کر چندی چندی ہو گئے تھے اور اس کے چہرے اور جسم پر بھیڑیے کے پنجون کے خونی نشانات بن گئے تھے۔ اُسنے بھیڑیے کو مار ڈالا تھا۔

(۱۲)

تین مہینے گذر گئے۔ ایک دن پریم ندی کے کنارے بیٹھا ہوا موہن کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اور ریت کے گھر بنا تا پھر رہا تھا۔ جن مین موہن دیکھ دیکھکر خوش ہو رہا تھا۔ ایک آدمی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا اور آکر پریم کے نزدیک ٹھہر گیا۔ موہن نے اُسے دیکھا اور دوڑ کر اس کی گود سے لپٹ گیا۔ پریم حیرت سے تکنے لگا۔

یہ شنکر لال، موہن کا باپ تھا۔ جو اپنے سیٹھ کے ساتھ تجارت کی غرض سے رنگون چلا گیا تھا اور اب تین مہینے کے بعد واپس آیا تھا۔ اُسے بیوی کے مرنیکی خبر معلوم ہو چکی تھی۔ اس نے پریم سے کہا "پریم تم مجھے شاید نہ پہچانتے ہوگے مین شنکر ہون"۔ پریم نے گھبرا کر پوچھا۔ "اور ابتک کہان تھے؟" شنکر نے جواب دیا "رنگون مین اپنے سیٹھ کے ساتھ مین اب اپنے بیٹے کو لینے آیا ہون"۔ پریم یہ سنکر غم اور غصہ سے بیتابانہ چلا اُٹھا۔ "موہن کو۔؟ پرماتما میری زندگی کا آخری سہارا۔ میری محبت کی آخری تصویر!!" یہ دردناک الفاظ سنکر شنکر بہت متاثر ہو گیا۔ اس نے دبی زبان سے کہا

"ہان پریم مین موہن کو اپنے گھر لیجانا چاہتا ہون اور جی چاہے تو تم بھی چلو" پریم بولا "نہین ایسا نہین ہو سکتا۔ مین موہن کو نہ دونگا۔ لاؤ میرا موہن مجھے دیدو" اُس نے آرزومند انداز سے موہن کی طرف اپنے دونون ہاتھ بڑھا دیئے۔ شنکر نے کہا۔ "پریم کیسی باتین کر رہے ہو۔ موہن میرا بیٹا ہے اور اس پر تمھارا کوئی حق نہین ہے"، پریم نے دیوانون کی طرح کہا۔ "نہین کوئی حق نہین۔ لیجاؤ۔ مگر شنکر میری زندگی موہن کے دم سے ہے۔ تم پہلے مجھے مار ڈالو۔ پھر موہن کو لیجاؤ۔" شنکر نے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ کیا بک رہے ہو پریم۔ موہن تمھارا ہی لڑکا ہے۔ تم جب چاہنا اُسے آکر دیکھ لینا"، پریم نے دوڑ کر موہن کو شنکر کی گود سے لے لیا۔ اُسے سینے سے لگایا۔ اُسے پیار کیا اور بہت دیر تک اُسے لئے ہوئے اس کے منہ پر منہ رکھے ہوئے روتا رہا۔ پھر شنکر بولا۔ "پریم اب مجھے جانیکی اجازت دو" پریم یہ سنکر وہان سے بڑھا اور آہستہ آہستہ اپنے جھونپڑے کی طرف قدم اُٹھانے لگا شنکر بھی پیچھے پیچھے چپ چاپ چلتا رہا۔ وہ سب جھونپڑے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ پریم نے پوچھا۔ "شنکر تم موہن کو ابھی لیجاؤ گے؟" موہن نے جواب دیا۔ "یہان ٹھہر کر کیا کرونگا؟" اور یہ کہتے ہوئے اس نے پریم کی گود سے موہن کو لے لیا۔ پریم نے آہستہ آہستہ موہن کو اپنی آغوش سے جدا کیا۔ اور اُس کی طرف ہاتھ پھیلائے کھڑا گرسنہ نگاہون سے دیکھنے لگا۔ شنکر نے کہا "مین اب جاتا ہون پریم" اور وہ موہن کو لے کر گاؤن کی طرف جانے لگا۔ پریم اُسی عالمِ محویت مین ہاتھ آگے پھیلائے کچھ دُور تک اُسکے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ پھر اس کے پاؤن مین طاقت نہ رہگئی۔ وہ گر پڑا اور کہنے لگا "موہن میری محبت کی آخری تصویر!"

(۱۳)

موہن کے چھن جانے سے پریم کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ اس جدائی نے اُسکے سینے کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ موہن کے ساتھ اس کی ساری جان چلی گئی۔ اب کہان کی نوکری اور کیسی ملاقات۔ سب کچھ چھوٹ گیا۔ وہ تارک الدنیا ہو گیا۔ اُسے مجبوراً دنیا وی جھگڑون سے الگ ہو جانا پڑا۔ اب اس کی صحت بھی برقرار نہ رہ سکی اور وہ دوسرے ہی دن سے بیمار ہو گیا۔ اب اس کی زبان سے "شانتی"! "شانتی" کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ ہوش اور بیہوشی یا بیداری اور خواب کی حالت مین بھی "شانتی"، کی جگر خراش اور حسرت آگین صدائین جھونپڑے کے اندر گونجتی رہتی تھین۔

کبھی کبھی ایک آدمی اُس کے حلق مین پانی ٹپکا دیتا تھا اور بس۔

رات بہت تاریک اور خوفناک تھی۔ آندھی کے طوفان اُٹھ رہے تھے اور جانورون کی چیخ پکار سے دل لرز جاتا تھا۔ رات کی ہیبتناک تاریکی موت کا منظر پیش کر رہی تھی۔ "شانتی"، کی آخری صدا جھونپڑے مین گونجی۔ درو دیوار پر مردنی چھا گئی اور فضا مین ایک غیر معمولی سناٹا پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے بعد کبھی "شانتی" کا

نام نہ سنائی دیا۔

(اس افسانہ میں نام اور مقامات فرضی ہیں)۔

محشر عابدی

دنیائے طب میں ہلچل

آجکل طب یونانی کی بڑی شد و مد سے مخالفت ہو رہی ہے جو لوگ اسکے کرشمہ سے ناواقف ہیں ذیل کے مضمون کا مطالعہ کریں جو رسالہ الحکیم سے پبلک کے فائدہ اور اطلاع کیلئے اقتباس کیا گیا ہے۔ رنگون کے ایک صاحب ثروت سوداگر اسباب معلومہ کیوجہ سے ..... موذی کا شکار ہوکر بالکل ..... ہو گئے تھے۔ مدت تک مشہور و معروف اطبا کا علاج کرایا مگر جب نشا فائدہ نہ ہوا یہ قاعدہ ہے کہ مایوس العلاج مریض ذلیل سے ذلیل طریقہ علاج کی طرف مائل ہو جاتا ہے انہوں نے بھی عطائیوں اور اناڑیوں سب سے ہی رجوع کیا اور آخر میں ناکامیاب ہونے پر یہ قصد کرلیا کہ ہندوستان کے تمام مشہور مقابر پر جاکر دعائیں مانگیں اور دوران سفر میں جو فقیر یا طبیب ملے لگے ہاتھ اس سے رجوع کرلیں وہ اپنے اسی دورہ پر تھے کہ اتفاقاً حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں مجھ سے شناسائی ہوئی اور یہ معلوم ہونے پر کہ میں طبیب ہوں اپنا حال مجھے سنا دیا اور ایک ٹھنڈا سانس بھر کر چپ ہو رہے مجھ پر انکے طرز بیان کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ فوراً علاج کرنیکا وعدہ کرلیا چنانچہ میں نے ان کا علاج نہایت محنت اور جانفشانی سے شروع کیا لیکن کچھ فائدہ مرتب نہوا قریب تھا کہ وہ بددل ہوکر واپس چلے جائیں کہ حسن اتفاق سے ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ گوڑگانوہ میں کوئی نذیر احمد صاحب ہیں جنکے پاس اس کا **نادر نسخہ** موجود ہے لیکن وہ طبیب ہیں نہ صاحب غرض بلکہ گھر کے رئیس اور کھاتے پیتے ہیں نسخہ کسیکو نہیں بتلاتے البتہ اگر کوئی زبردست سفارش لیکر پہنچ جائے تو دوا تیار کرکے دیدیتے ہیں۔ اسقدر تعریف سنکر میں ایک تعارفی خط لیکر سیدھا گوڑگانوہ پہنچا وہ بہت خلاق سے پیش آئے اور دوا مجھے دیدی میں نے سیٹھ صاحب پر اسکا استعمال شروع کردیا **سیٹھ صاحب کی قوت حیرت انگیز** طور پر ترقی کرگئی اور اسقدر **طاقت** پیدا ہوئی کہ بیان سے باہر ہے میں نے متعدد مریضوں پر مختلف حالات میں آزمانے پر بھی ہمیشہ تیر بہدف پایا۔ یقیناً میرے علم میں ایسا پر اثر نسخہ کسی دوسرے شخص کے پاس نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ نسخہ **بو علی سینا** کی خاص دماغی کوششوں کا نتیجہ ہے جو کسی بادشاہ کیلئے تجویز کیا گیا تھا یہ ایک **معدنی لوح** پر کندہ ہے وہ اس نسخہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے میری یہ استدعا بیجا نہ ہوگی کہ ایسے صاحب کمال کہ اس نسخہ کو **الحکیم** میں شائع کراکے تمام اطبا ہند کو شکریہ کا موقعہ دیں

(خادم الاطبا مسعود الرحمن)

ایڈیٹر صاحب الحکیم کا نوٹ

یہ مکتوب کچھ دو تین ماہ ہوئے ہمارے پاس پہنچا تھا لیکن اشاعت سے قبل ہم نے ان واقعات کی مزید تحقیق کیلئے اپنے کرم فرما خان بہادر ملک سردار علی صاحب کو تکلیف دی جو حسن اتفاق سے آجکل گوڑگانوہ میں قیام پذیر ہیں۔ چنانچہ صاحب موصوف کا جواب جو ابھی موصول ہوا ہے درج ذیل ہے:۔

مکرمی جناب حکیم صاحب۔ السلام علیکم میں کل نذیر احمد قریشی سے ملا تھا وہ حکیم نہیں ہیں مولوی برکت علی صاحب وکیل لاہوری کے فرزند ہیں انکے پاس **واقعی قوت باہ کا ایک عجیب نسخہ ہے**۔ تابعدار (خان بہادر ملک) سردار علی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مارچ سنہ ۲۹ء

(نوٹ) اس دوا کو اسقدر قلیل عرصہ میں اتنی مقبولیت و ہر دلعزیزی حاصل ہوئی ہے کہ اس کیلئے دواخانہ قائم کرنا پڑا حکیموں اور ڈاکٹروں کی یہ متفقہ رائے ہے کہ یہ دوا **ضعف باہ** کے لئے **اکسیر اعظم** ہے قیمت اکسیر سینا پانچ روپے۔ طلا سینا پانچ روپے محصول ڈاک وغیرہ ۸ر بذمہ خریدار۔

دواخانہ اکسیر سینا۔ گوڑگانوہ (پنجاب)

تصوف اسلام پر ایک مورخانہ نظر

"صوفیائے اسلام" اور ڈاکٹر نکلسن کا تاریخی خطبہ تصوف

ڈاکٹر نکلسن نے دیوان شمس تبریز کا فاضلانہ مقدمہ ۱۸۹۸ء مین لکھا تھا، اسوقت وہ ٹرینٹی کالج مین رفیق (فیلو) کی حیثیت سے علمی زندگی گذار رہے تھے، "مسٹکس آف اسلام" انھون نے اسوقت لکھی جب کیمبرج مین فارسی زبان کے خطیب تھے، اس لئے تصوف کی تاریخی معلومات کے اعتبار سے یہ چھوٹی سی کتاب دیوان شمس تبریز کے معرکۃ الآرا مقدمہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے، تصوف کی تاریخ بیان کرتے ہوئے انھون نے مقدمۂ (دیوان) مین ایک مقام پر جس عجز کا اظہار کیا ہے، "مسٹکس آف اسلام" مین انھون نے اسکی قابل فخر تلافی کردی ہے، انھون نے "صوفیائے اسلام" کو چھ ابواب پر تقسیم کیا ہے، اور بالترتیب طریقت، تجلی وحال، معرفت، عشق آلہی، اولیاء اللہ و کرامات، اور "مقام وصل" پر محققانہ بحثین کی ہین اور شروع مین تاریخ تصوف کے متعلق ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہے، اور اس مین ثابت کیا ہے، کہ اسلامی تصوف پر مسیحیت، فلسفہ اشراقی، مذہب بدھ اور (Manichaeism) کا اثر پڑا ہے، سب سے پہلے مین ذیل مین ڈاکٹر صاحب کے مباحث کی تلخیص پیش کرونگا۔

مسیحیت اور تصوف اسلامیہ

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہین کہ مسلک تصوف کا زاہدانہ اور امن پسندانہ رجحان مسیحی اصول کے بالکل موافق ہے، انجیل کے بہت سے اقتباسات اور حضرت مسیح کے مقالات صوفیائے کرام کے سوانح زندگی مین پائے جاتے ہین۔ اور یہ بھی مسلم ہے، کہ پشمینہ (صوف) کا لباس جس سے اصطلاح "صوفی" مشتق ہے، مسیحیت کی پیداوار ہے عہد خموشی، ذکر و شغل، اور دوسرے صوفیانہ اوراد وظایف کا عہد بھی اسی کو قرار دیسکتے ہین۔

ایک شامی صوفی احمد ابن الحواری نے ایک مسیحی راہب سے سوال کیا، تمھارے کتب سماوی مین کونسا سب سے بڑا حکم ہے، راہب نے جواب دیا کہ ہملوگ اس سے بڑا کوئی حکم نہین پاتے کہ انتہائے وسعت اور قوت کے ساتھ اپنے خالق کی محبت رکھی جائے۔

ڈاکٹر نکلسن نے اس قسم کی اور بھی مختصر روایات نقل کی ہین، اور ان سے استدلال کیا ہے، کہ عشق اللہ کے متعلق صوفیہ کے تاثرات اسی مبدء سے لئے گئے ہین۔

صوفیانہ افکار اور فلسفۂ اشراقی

مسلمانون کے فلسفہ مین ارسطو کی ایک مقتدر شخصیت ہے، لیکن عربون نے اشراقی شارحین کی وساطت سے ارسطو کے فلسفہ کی تعلیم پائی، اس صورت سے "الٰہیات ارسطو" جسکا ایک عربی نسخہ نوین صدی مین ظاہر ہوا، گویا فلسفہ اشراقی کا ایک رسالہ تھا،

روایات علمیہ کے علاوہ اور بھی بہت ذرایع تھے، جنکی وساطت سے تجلی، معرفت اور «حال»، کے عقاید حاصل کئے گئے۔ اور یہ تو ایک حقیقت تاریخی ہے، کہ مغربی ایشیا اور مصر مین جو تصوف کا گہوارہ تھے، اہل یونان کے صوفیانہ نکار وعقاید موجود تھے، جن سے وہان کے باشندون نے استفادہ کیا، ان مین ذوالنون مصریؒ جو اسکے سلسلہ ارتقاء کے ایک زبردست رکن ہین، ایک فلسفی اور ماہر کیمیا یا دوسرے الفاظ مین علوم یونانیہ کے طالب العلم گذرے ہین، اور جب یہ مطالعہ کیا جاتا ہے، کہ ذوالنون مصری کے افکار وعقاید دیانیسیوس (Dionysius) کی تحریرون مین پائے جاتے ہین تو معًا یہ خیال پیدا ہوتا ہے، کہ فلسفۂ اشراقی نے اسلام مین صوفیانہ فکر واحساس کی وہی اثر آفرینی کی جس سے مسیحیت اثر پذیر ہو چکی تھی۔

بدھ مذہب اور تصوف

گیارھوین صدی مین مسلمانون کے فتح ہند سے قبل گوتم بدھ کی تعلیم نے مشرقی ایران اور توران مین ایک گہرا اثر پیدا کر لیا تھا، بلخ مین پیروان بدھ کی مہتم بالشان خانقاہین پائی جاتی ہین، مشاہیر صوفیہ کا نشیمن ہونیکی حیثیت سے بلخ ایک مشہور شہر ہے، پروفیسر گولڈزیہر نے اس طرف پر معنی توجہ دلائی ہے، کہ تارک الدنیا صوفی ابراہیم ابن ادہمؒ بلخ کے شاہزادہ تھے، انھون نے سلطنت ترک کر دی، اور ایک بادیہ پیما درویش بنگئے، یہی واقعہ گوتم بدھ کی زندگی کا بھی ایک اہم جزو ہے۔

صوفیہ نے دانہ تسبیح کا استعمال بدھ مذہب کے انہین تارک الدنیا زہاد سے حاصل کیا[1]۔ اور بلا تاویل کئے ہوئے یہ صحیح طور پر کہا جاسکتا ہے، کہ طریق تصوف جہان تک یہ اخلاقی تربیت نفسی، مراقبہ زاہدانہ اور ذہنی تجربہ سے متعلق ہے، بڑی حد تک بدھ مذہب سے ماخوذ ہے۔

صوفیہ کا عقیدہ «فنا» یعنی انفرادیت کو مٹا کر کلیت مین ملجانا، میرے خیال مین یقینًا ہندوستان کی پیداوار ہے، اسکے سب سے پہلے واضح کرنے والے حضرات بایزید بسطامیؒ تھے، جنھون نے اسے اپنے پیر ابو علی سندھی سے سیکھا ہوگا، بدھ مذہب کا «نروان» تصوف کے عقیدہ فنا سے ملتا ہوا ہے، فرق یہ ہے، کہ نروان مین صرف ایک منفی پہلو پایا جاتا ہے، لیکن یہان فنا کے بعد بقا ہے، بدھ مذہب کا نروان اس خیال پر مبنی ہے کہ انسان کو اپنے خالق کے لیے مٹ جانا چاہیئے لیکن صوفیہ کے عقیدہ مین حصول فنا کے بعد بقائے دوام حاصل ہوتا ہے، لہذا فنا کے متعلق حضرت بایزید بسطامیؒ کے مقالات سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیہ کا طریقہ، ویدانت (علم آلہی) کے عقیدۂ وحدۃ فی الکثرت سے اثر پذیر ہوا ہے، بہت سے افکار جن سے مسلمانون کی فکر واحساس پر اثر پڑا ہے ہندوستانی کہلانے کے بجائے، بدھ مذہب کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہین، پھر بھی «فنا»، کا عقیدہ جو ایک اخلاقی پہلو رکھتا ہے، اور جسکا مقصد ہے، شہوات وخواہشات کا مٹانا،

---

[1] یہی وجہ ہے کہ اہلحدیث (غیر مقلد) تسبیح کا استعمال نہین کرتے، اللہ بخشے والد مرحوم کو مینے بچپن مین اُن سے سوال کیا کہ آپ انگلیون پر کیون پڑھتے ہین، انھون نے مختصرًا کہدیا۔ نبی صلعم نے اسی طرح پڑھا ہے نکلسن کی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ بدعت کہان سے آئی؟۔

نروان کی تعریف سے ملجاتا ہے، جو پروفیسر رائز ڈیوڈس کے عالمانہ مقالہ مین پائی جاتی ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے، کہ تصوف کا عقیدۂ فنا ایک حد تک بدھ مذہب اور فارسی ہندی مسلک وحدۃ فی الکثرت سے اثر پذیر ہوا ہے۔

اسکے بعد نکلسن ایک انصاف پسند محقق کی طرح لکھتا ہے، کہ ہماری تفصیلات کا یہ مطلب نہین ہے، کہ تصوف ایک مجموعہ ہے، خارجی عناصر کا، جسے اسنے دور ارتقا مین جذب کرنا شروع کیا، بلکہ اگر اسلام معجزانہ حیثیت سے دوسرے مسالک فلسفہ کے افکار اور مجامع صوفیہ کے عقاید سے الگ بھی رہتا، تاہم اسکے اندر تصوف کی کوئی نہ کوئی صورت رونما ہوتی کیونکہ مادہ موجود تھا۔

میکڈونلڈ اور تاریخ تصوف

میکڈونلڈ نے اس محققانہ انداز سے تصوف کی داخلی صورت پیش کی ہے، کہ اسکے تبحر علوم عربیہ پر بے اختیارانہ زبان سے داد نکلتی ہے، نکلسن موجودہ مستشرقین مین ایک خاص پایہ کا عالم ہے، جسکی تصنیفات کا سلسلہ یورپ کی علمی مجالس آجتک شایع کر رہی ہین، لیکن اسکے افکار کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک حد تک اسنے میکڈونلڈ کی خوشہ چینی کی ہے، اور بعض مقامات مین تو اسنے اسکے خیالات کا اقتباس دیکر اسکے تحقیقی ذوق کی داد بھی دی ہے، تاریخ تصوف کے متعلق میکڈونلڈ کے خیالات اسقدر وسیع نہین، با اینہمہ اسکی تصنیف مین اس موضوع پر بھی مختصر بحث پائی جاتی ہے۔

میکڈونلڈ کہتا ہے، کہ ابن خلدون کے مقدمہ تاریخ مین "صوفیہ" کے عنوان سے ایک مورخانہ بحث پائی جاتی ہے جس مین اسنے ثابت کیا ہے کہ "صوفی" لفظ صوف سے مشتق ہے، نکلسن لکھتا ہے، یورپ مین لفظ صوفی کی وجہ تسمیہ پر مباحث شروع ہوئے تو مختلف خیالات کا اظہار کیا گیا، بعض علمانے اسے لفظ (σοφος) کا مترادف قرار دیا، جسکے معنی "تھیاسفسٹ" ہین، لیکن جرمن کے محقق نالڈک نے بتایا کہ یہ "صوف" سے مشتق ہے، نکلسن نے یہ نہین لکھا آیا نالڈک کی یہ ذاتی تحقیق تھی، یا اسنے علامہ ابن خلدون ہی کا نظریہ اپنی طرف منسوب کر دیا، میکڈونلڈ نے "صوفی" کی وجہ تسمیہ کے متعلق علامہ ابن خلدون کا خیال ظاہر کرتے ہوئے نالڈک کا بھی حوالہ دیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے، نالڈک علامہ ابن خلدون ہی کی یہ تحقیق مغربی دنیا مین پیش کی تھی اور اسکی یہ خدمت یورپ مین بہت مستحسن خیال کی گئی، نکلسن نے لفظ صوفی کے متعلق جو مباحث کئے ہین وہ غالبًا میکڈونلڈ ہی کی کتاب "اسلام مین مذہبی طریقہ اور زندگی" سے لئے ہین، اور اسنے ماخذ تصوف، بیان کرتے ہوئے فلسفہ اشراقی کا جو تذکرہ کیا ہے، غالبًا میکڈونلڈ ہی کے خیال سے مستفاد ہے، میکڈونلڈ نے اسے مجمل لکھا، نکلسن نے اسکی تفصیل کی ہے، البتہ نکلسن نے فلسفہ اشراقی کی تخیلات اور فلاطینوس کے افکار سے تصوف اور مولانا روم کی شاعری کا جو موازنہ کیا ہے، وہ آجتک خود یورپ کی کسی دوسری کتاب مین نہین پایا جاتا، اور مشرق کو کیا غرض پڑی تھی کہ وہ فلاطینوس کی تخئیلات کا مطالعہ کرے، نکلسن نے اپنے

ایک دوست کی غیر مطبوعہ تصنیف سے فلاطینوس کے افکار کا مطالعہ کیا، جسکا تذکرہ دیوان شمس تبریز کے دیباچہ مین پایا جاتا ہے،

میکڈونلڈ لکھتا ہے، ابتدا ہی سے اکابر صحابہ اور نبی صلعم کے خلفائے راشدین مین طریق تصوف کا ذوق عمل پایا جاتا ہے، اسی لئے صوفیہ کا سلسلہ بیعت عشرہ بشرہ تک منتہی ہوتا ہے، تصوف کی یہ ابتدائی شکل مفصلہ ذیل احساسات پر مبنی تھی، (۱) عبادات مین مصروفیت (۲) صرف خدا ہی کے لیے زندگی بسر کرنا، (۳) آرایش دنیوی سے منہ موڑ لینا، (۴) جمہور انسان کے اغراض مثلاً شاد کامی، ثروت، اور حوصلہ سے قطع نظر (۵) ہجوم انسان سے علٰحدہ ہو کر عزلت مین عبادت کرنا، یہ علامہ ابن خلدون کے نظریات ہین، جنھین میکڈونلڈ نے لکھا ہے، علامہ موصوف کے نزدیک مفصلہ بالا ذوق صوفیانہ تمام صحابہ اور قرن اولی کے مسلمانون مین پایا جاتا تھا لیکن دوسری صدی مین دنیا کی طرف لوگ ایسے مائل ہوئے کہ اسی مین لگ گئے ایک جماعت اس ابتدائی ذوق پر قایم رہی اور اسی جماعت کا امتیازی لقب "صوفی" مقرر ہوا،

اب یہ جماعت دوسرے لوگونکا حلقۂ ارادت اور مطمح پرستاری بن گئی، اولیاء اللہ کا تخئیل قایم ہوا اور لوگون نے خیال کرنا شروع کیا، کہ یہ جماعت تجلی و معرفت کی حامل ہے، اور کرامات اس سے ظہور پذیر ہوتے ہین، لہذا انسانی قلوب مین انکی طرف سے جذبات احترام اور مرادطلبی پیدا ہوئے، اور اس جذبہ نے یہ صورت اختیار کرلی، کہ اسلام کو (کاشانۂ توحید سے اتار کر) شرک و دوئی کی سطح پر صف آرا کردیا، مین اسوقت اسکی دلچسپ تفصیل نہین کرسکتا، ارباب ذوق اسے ایک حدتک ڈاکٹر گولڈزہر کی کتاب الاعلام لاہل الاسلام (mohammedanische Studien) مین مطالعہ کرسکتے ہین(۱)

ابتداً (صوفیہ کی) یہ جماعت منظم شکل مین نہ تھی، بلکہ اسکا ایک رکن ایک مرشد کی طرح اپنے مسترشدین کو دینیات کی تعلیم دیتا، عشق آلہی کا راز بتاتا، اور انھین مراحل طریقت مین رشد و ہدایت کرتا، ارباب استرشاد کیلئے یہ لازم نہ تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے مرشد کے ساتھ منسلک رہین، کیونکہ اسوقت تک سلسلہ بیعت کا وجود نہ تھا، اور نہ موجودہ خانوادۂ صوفیہ کی طرح کوئی خاص خاندانی رشتہ اتحاد پیدا کیا جاتا تھا اسوقت مرشد کے لیے بھی یہ ضرور نہ تھا کہ ایک راہب کی طرح خانقاہ مین گوشہ گیر رہے، بلکہ وہ کسی اعلی درسگاہ مین الہیات کا پروفیسر ہوتا، یا قانون کا خطیب، اسیطرح

(۱) اولیاء اللہ کے مقابر پر آج جو بدعات دیکھنے مین آتی ہین، وہ ایک نہایت ہی المناک افسانہ ہے طبقہ صوفیہ کے اکثر افراد اسلام کے روح رواں گذرے ہین، اور اس طبقہ سے اہل اسلام کی ارادت اور محبت لازمی ہے، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ قبور پر چراغان ہو، کمخواب اور زربفت کی چادرین چڑھائی جائین، میکڈونلڈ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۱۲-

صدیان گذر گئین، ایک مرشد لوگون کو تلقین کرنا اور جب اسکی زندگی کے ایام ختم ہو جاتے، تو مسترشدین کی جماعت منتشر ہو جاتی،
اسکے بعد خانوادہ صوفیہ مین سلسلہ بیعت کا رواج شروع ہوا، ان مین سلسلہ قادریہ سب سے قدیم ہے، جسکے بانی خود عبد القادر جیلانی تھے یا آپکے قریبی متبعین، اس سلسلہ نے ایسی وسعت اختیار کی، کہ تمام عالم پر چھا گیا، سلسلہ قادریہ کے مزید سلسلے بغداد شمالی افریقہ، اور شمالی (Nigeria) مین پائے جاتے ہین، سب سے آخر سلسلہ سنوسیہ ہے جو بحر کاہل سے جزائر فلپائن تک پھیلا ہوا ہے،۔

تعریف تصوف

نکلسن نے "صوفیائے اسلام"، مین تصوف کی مفصلہ ذیل تعریفین کی ہین،

تربیت نفسی کا نام تصوف ہے، تصوف یہ ہے کہ انسان نہ تو کسی پر قابض ہو نہ کسی کا مقبوض،

تصوف، قواعد وضوابط کا ایک نظام نہین، اگر یہ کوئی قاعدہ ہوتا، تو مجاہدانہ سعی سے یہ کسی کا اپنا ہو جاتا اگر یہ حکمت ہوتا، تو تعلیم کے ذریعہ حاصل ہو جاتا بلکہ اُسکے برعکس یہ ایک سیرت (Disposition) ہے، جیسا کہ حدیث مین وارد ہے **تخلقوا باخلاق اللہ** اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کی اخلاقی فطرت کو نہ تو قواعد کی وساطت سے حاصل کر سکتے ہین نہ علم کے ذریعہ،۔

تصوف تعبیر ہے آزادی اور فیاضی کی، اور یہ مسلک ہے، ذاتی پابندیون سے علیحدہ ہو جانے کا تصوف کا وظیفہ ہے، عالم فانی کی بے کمالی کا مشاہدہ کرنا، بلکہ اس مستجمع کمال کے تصور مین، جو بے کمالی سے پاک ہے، ہر نا مکمل کی طرف سے اپنی آنکھین بند کر لینا، تصوف نام ہے، قوی پر تصرف رکھنے اور انفاس کا لحاظ رکھنے کا،۔

تصوف یہ ہے کہ جو کچھ تمھارے سر مین ہے اسے دور کر دو، جو تمھارے ہاتھ مین ہے، اسے دیدو اور جو حادثہ بھی تم پر آئے تم مایوس نہ ہو،۔

یہان تک تو تصوف کے خارجی معلومات کے متعلق تھا، میکڈونلڈ نے تصوف کی داخلی صورت پیش کرتے ہوئے جن عنوان کے ماتحت بحثین کی ہین، وہ اسکے "تمہیدی بیان"، کے سلسلہ مین آیندہ ورق مین درج ہین اسلئے مین تصوف کی داخلی تشریح مین میکڈونلڈ ہی کے منتخب عنوان کے مطابق مفصلہ ذیل سطور مین کسی قدر تفصیلی بحث کرنا چاہتا ہون،

میکڈونلڈ کا تمہیدی بیان

مجھے اجازت دیجئے کہ مین مسیحی اور اسلامی دو نو نقطہ ہائے نظر سے بطور سند اپنے خطبات کے لیے ولیم جیمس کی عالمانہ تصنیف "ورائٹیز آف ریلیجس ایکسپیرینس" (اصناف تجربہ مذہبی)، سے اقتباس نقل کرون،

پروفیسر موصوف اپنے تیسرے خطبہ کی ابتدا مین جہان حقیقت "غیر مشہود"، کے وسیع سوال پر پہونچا ہے، رقم طراز ہے،

"جہانتک عام اصطلاحات مین ممکن ہو سکتا ہے، اگر کسی سے حیات مذہب کی مرتفع آرائی کے متعلق سوال کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے، کہ حیات مذہب تعبیر ہے، اس عقیدہ کی، کہ (کائنات مین) ایک حقیقت غیر مشہود جاری اور ساری ہے، اور یہ کہ ہماری سب سے بڑی فلاح اسی مین ہے کہ ہم اس

(نظام غیر مشہود) سے وثیق و اتحاد پیدا کرین، یہی عقیدہ اور توافق، نفس کے اندر مذہبی رفتار کا سنگ بنیاد ہے "

اسلام مین یہ مذہبی رفتار کیونکر ترقی پذیر ہوئی مین اسی کو پیش کرنا چاہتا ہون، اس بحث کو تین حصون مین تقسیم کر سکتے ہین، اول، غیر مشہود کی حقیقت کیا ہے، اور یہ کہ کس طرح ہم لوگ حواس جسمانیہ کی وساطت سے اس حقیقت تک نہین پہونچ سکتے؟ دوم یہ کہ یہ لحاظ ایمان اور کیفیات باطن، اس "غیر مشہود" سے انسان کا کیا تعلق ہے؟ اس مین عبادت گذارانہ رفتار سے لیکر صوفیا کے چشمہائے بینش کے سامنے حضور خداوندی (شہود) اور اسکے متعلقہ کی پر پیچ الہیاتی موشگافیان شامل ہین، اور آخری تقسیم یہ کہ اس بلاواسطہ معرفت الٰہی کے حصول کے لیئے ایک طریقت کو تربیت (ریاضت و شغل) کے کون کون مراحل طے کرنا ہین، اور اس دور مین اسکی زندگی کا کیا نقشہ ہوتا ہے؟ فلسفہ کے مختلف مذاہب کے متعلق میری تعلیمی حالت بہت مختصر ہے، لیکن مین دیکھتا ہون، کہ ان تینون موضوع بحث مین میری تحقیقات کے لیے، مادرائے طبعی، نفسیاتی اور اخلاقی (Ethical) پہلو موجود ہین۔ مین عربی زبان اور علوم اسلامیہ کا ایک محض طالب العلم ہون، میری خواہش ہے کہ مین اُنلوگون کے سامنے جو علمائے مابعد الطبیعہ، ماہرین نفسیات، اور دانایان فلسفہ اخلاق ہین، بعض ایسے مسائل پیش کرون، جو انلوگون کے علوم کے متعلق اس وسیع اور غیر معروف مخزن (اسلام) مین بھرے پڑے ہین، میری التماس ہے کہ ناظرین مجھے ایک ایسا سیاح تصور کرین، جو اپنی دور دراز بادیہ پیمائیون کے بعد وطن مین بعض ایسے نوادر روزگار ساتھ لاتا ہے، جنھین حکمائے جغرافیہ و ماہرین نباتات و حیوانات مابعد بہ نظر امتحان دیکھتے ہین، اور انھین مرتب صورت مین پیش کرتے ہین۔

مین سمجھتا ہون بہت لوگون نے غور کیا ہوگا، کہ ان افکار و عقاید مین نوع انسان کے لاکھون بہترین دماغ کی کی موت و حیات کا مدار ہے، وہ اسکی اہمیت سے کماحقہ واقف ہو سکتے ہین، یہ اس قوم کے افکار ہین جو تیرہ صدیون سے بزم ہستی مین رونق افروز ہوئی، اور تقریباً کرۂ ارضی کے چوتھائی حصہ پر آباد ہے، ہم لوگون کو طفلانہ ہنگامہ خیال کی بجائے غور کرنا چاہئے، کہ اس قوم نے جو ہر چند زبان مین ہم سے مختلف لیکن خیالات مین ہمنوا ہے، زمانہ اور ازل کے متعلق کیسے کیسے دقیقہ سنج اضافے کئے ہین۔

مسلمانون کے نظریہ خواب کا مبدء

میکڈونلڈ علامہ ابن خلدون کے مقدمہ تاریخ مترجمہ ڈی سلین جلد سوم کے حوالہ سے لکھتا ہے، کہ علامہ موصوف کے نزدیک مسلمانون مین خواب کی اہمیت اور اسکی تقدیس، کسی خارجی اثر کے ماتحت نہین، بلکہ یہ اسلام ہی کی پیداوار ہے، میکڈونلڈ نے ابن خلدون کے دعوٰی کی تائید کی ہے، لیکن وہ لکھتا ہے کہ مسلمانون کا فن تعبیر خواب ایک حد تک کہا جا سکتا ہے، کہ یونانی علمائے تعبیر (Oneirocritic) کے افکار سے متاثر ہوا ہے، اس واقعہ سے اس نظریہ کی اور بھی تائید ہوتی ہے،

کہ ابن ندیم کی کتاب الفہرست مین علمائے اشراقیین کی بعض کتابونکے (عربی) تراجم کا تذکرہ پایا جاتا ہے، خواب کے متعلق اسلامی تصنیفات کے تفصیلی واقعات رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جریدہ جلد ۱۶ مین ایک فاضلانہ مضمون کے اندر پائے جاتے ہین، جو این بلینڈ کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

خواب کے متعلق قرآن وحدیث کا مسلک

عام انسانی نقطۂ نظر سے خواب کے متعلق بحث کرنا، ایک نہایت تفصیل طلب مسئلہ ہے، (Studies in dreams) کے نام سے انگریزی مین ایک کتاب ہے، جو جین لائبریری مین میری نظر سے گذری ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا مین بھی فلسفیانہ مباحث پائے جاتے ہین قرآن مجید مین چند خوابون کا تذکرہ ہے، اور انکی تعبیرین بھی پائی جاتی ہین، سورۂ یوسف اسکے لئے خاص امتیاز رکھتی ہے، اس مین حضرت یوسفؑ، عزیز مصر، اور دو قیدیون کے خواب اور انکی تعبیرین نہایت ہی دلچسپ ہین، قرآن مجید کے ان بیان کردہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور مین مصر و بابل کے اندر خواب کو کتنی اہمیت دیجاتی تھی، اور اسکے معبرین کیسی ممتاز حیثیت رکھتے تھے، سورۂ یوسف سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ اسوقت حکومت مین علم تعبیر کے ماہرین نوکر بھی تھے، یا کم ازکم دربار سے انکا تعلق تھا، چونکہ عام لوگ قرآن مجید کا ترجمہ بھی دیکھکر اسکے متعلق معلومات حاصل کر سکتے ہین، اسلئے ان آیات کو مین یہان نقل نہین کرتا، اسی طرح سورۂ صفت مین حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا خواب نہایت تاثیر انگیز ہے، اور سورۂ انا فتحنا مین ایک خواب کا تذکرہ ہے، جو فتح مکہ (یا امن کے ساتھ داخلہ بیت الحرام وادائے حج) کے متعلق، جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تھی، خود آن حضرت صلعم نے دیکھا تھا، اس سورہ مین واقعہ کے فوری ظہور پذیر نہ ہونیکے باعث اصحابہ کے استفسارات اور انکی تشفی کے متعلق مجمل بیانات پائے جاتے ہین۔

میکڈونلڈ نے علامہ ابن خلدون، اور الغزالی کے جو اقتباسات دئے ہین وہ احادیث سے مالامال ہین مینے قوسین کے اندر، اور بعض مقامات پر حاشیہ مین حدیث کے صحیح الفاظ کی تشریح بھی کردی ہے، حدیث مین اور بھی بہت سی روایتین ہین جن مین بی بی عائشہ رضؓ کی روایت سے، جو ایک خواب کا تذکرہ پایا جاتا ہے، وہ بہت دلچسپ ہے، آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ رضؓ سے فرمایا کہ مینے دو بار خواب مین دیکھا کہ ایک شخص تمھین ایک ریشمی کپڑے مین اوٹھائے ہوئے ہے، اور کہہ رہا ہے، یا رسول اللہ یہ آپکی بیوی ہے، مینے کپڑا کھول کر جو دیکھا تو تم نظر آئین مینے کہا، اِن یکن ھذا من عند اللہ یمضہ (اگر اللہ کی یہی مرضی ہے تو پوری ہوکر رہیگی)۔

الغرض اسلامی عقیدہ کے اعتبار سے خواب ایک اہم مسئلہ ہے، اور اسلام کے مایہ ناز علمائے، تاریخ، ماہرین فلسفہ ومتکلمین کے ذاتی بیان کردہ خواب کی (مفصلہ ذیل) روایات سے پتہ چلے گا، کہ نفس انسانی کے اس عجیب وغریب کرشمہ کے اندر کیسی کیسی تاریخی حقیقتین پنہان ہین۔

ابن خلدون کے نظریات خواب

عالم خواب کی ماہیت طبعی یہ ہے کہ نفس مدرکہ اپنے جوہر روحانیہ کی وساطت سے

ایک لحظہ مین حادثات کی صورتون کے متعلق آگاہی حاصل کرتا ہے، نفس مین روحانیت کا جس قدر زیادہ حصہ ہوگا، اُسکا ل حادثات کی جلوہ گری بھی اس مین حقیقی ہوگی، جیسا کہ تمام جواہر روحانیہ کی خصوصیت ہے، اور یہ مادی ملوثات اور وقوف جسمانی کے سرچشمہ سے جدا ہوکر بالکل روحانی بن جاتا ہے، اور جیسا کہ ہم بیان کرینگے نفس مدرکہ پر خواب کے اندر ایک لحظہ مین وقتاً فوقتاً یہ کیفیت طاری ہوتی رہتی ہے، اسلئے یہ نفس مدرکہ حادثات مستقبل کے متعلق علم حاصل کرتا ہے، اور اس علم کے ساتھ اپنے ینابیع وقوف وادراک کی طرف لوٹ آتا ہے، جب یہ حصول قوت مصورہ مین مجازیات اور مثال کے استعمال سے غیر محکم اور مبہم ہوتا ہے، تو ان مجازیات کے باعث تاویل کی ضرورت ہوتی ہے، بعض اوقات حصول محکم اور استوار ہوتا ہے، اور اس مین مجازی رنگ نہین پایا جاتا، اسوقت اسکی تاویل کی حاجت نہین ہوتی، نفس مین اس پر تو فہم وادراک نقش طرازی کا سبب یہ ہے کہ نفس طبعًا جوہر روحانیہ سے تعلق رکھتا ہے، اسے اس امر کی کاوش رہتی ہے، کہ جسم وجسمانیات کے چشمہائے وقوف ہی مین رہکر وہ اس عالم بالا کی لذت آگینیون سے مستفیض ہوا کرے، یہانتک کہ نفس علم ومعرفت کا مہبط ہوجائے، اور حقیقت کا آئینۂ کمال، اور پھر اسی صورت سے خود بھی سراپا جوہر روحانیہ ہوجاتا ہے، اسے علم ومعرفت کے لئے آلاتِ جسمیہ کی ضرورت لاحق نہین ہوتی، اسلئے نفس کے یہ درجات، ملائکہ کے ماتحت ہین، جنھین اپنی ذات طبعی کو جسمانی اور دوسرے چشمہ ہائے علم دوقوف کی وساطت سے پر کرنیکی ضرورت نہین صرف نفس انسانی ہے (جب تک اسکا تعلق جسمانیات سے وابستہ رہے) اس طریق علم دوقوف کا علاقہ رہا کرتا ہے، اسکی ایک مخصوص نوعیت ہوتی ہے، جو اولیا اللہ سے مخصوص ہے، دوسری قسم عامیانہ پہلو رکھتی ہے، جسکا تعلق عوام الناس سے رہا کرتا ہے، اور یہ آخری قسم رویت (خواب) کی اصل بنیادی ہے، حصول علم معرفت کی وہ نوعیت جو انبیائے کرام کی ذات سے مخصوص ہوتی ہے، وہ یہ کہ مرسلین کو یہ قدرت ہوا کرتی ہے کہ وہ فطرت انسانیہ سے تو الملبس ملکوتیہ کی خالص کیفیات مین مبتدل ہوجاتے ہین، اور یہ اقتضائے روحانیہ کا نقطہ انتہا ہے، انبیائے کرام مین اس قدرت کا اظہار نزول وحی کے وقت ہوا کرتا ہے، الہام کی وہ حالت جب جسمانیات کے ذرایع علم وبصیرت کے میدان مین داخل ہوتی ہے، تو اسے تقریبًا انھین مدارج سے گذرنا پڑتا ہے، جو (ذرایع جسمیہ کی وساطت سے) حصول قوت کیلیے ناگزیر ہین، اس صورت مین حالت نوم سے یہ بہت ممثل ہوتا ہے، اسی مماثلت کے باعث خواب کے متعلق پیغمبر صلعم نے فرمایا کہ یہ نبوت کے چھیالیس حصون مین سے ایک حصہ ہے، (یہ صحیح حدیث کا ویا المومن جزءٌ من ستۃ و اربعین جزءًا من النبوۃ کا ترجمہ ہے، جو صحیح بخاری مین بروایت عبادہ بن صامت موجود ہے)۔

ابن خلدون کہتا ہے، کہ ہرچند فطرت انسانیہ سے گذر کرنا موس ملکوتیہ مین منتقل ہونیکی قدرت نوع انسان مین مشترک ہے، لیکن اسکے ساتھ بہت سے موانع اور حجابات ہین، ان مین سب سے زیادہ قوی سبب حواس ظاہری ہین، لیکن اللہ جل شانہ نے فطرت انسانی مین یہ صفت بھی ودیعت کی ہے کہ نیند مین اس سے حجابات حواس اٹھ جاتے ہین اور اسوقت نفس عالم الحق سے اس شئے کا علم حاصل کرتا ہے، جسکے لئے اسکی سعی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت نے اس ساعت کو

"مبشرات" (مژدہ رسان) تعبیر کی، آپ نے فرمایا مبشرات کے سوا نبوت باقی نہین رہی، لوگون نے کہا یا رسول اللہ مبشرات کیا ہین آپ نے فرمایا "سچے خواب" جو ایک صالح آدمی دیکھتا ہے، یا جو کچھ اسے دکھایا جاتا ہے، (یہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے، جو مشکوۃ مین بھی موجود ہے، اور بخاری کی کتاب التعبیر مین بھی بروایت ابوہریرہؓ پائی جاتی ہے، لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ)۔

علامہ موصوف لکھتے ہین اب مین یہ بتانا چاہتا ہون، کہ اس حجاب کے برطرف ہونے کا کیا سبب ہے، نفس عقلیہ کے مدرکات اور وظایف عمل کی بنیاد روح جسمانیہ حیوانی پر قایم ہے، یہ ایک لطیف ابخرہ ہے، (جسکا مقام عمق قلب کے دائین جانب واقع ہے، اسکی وضاحت جالینوس اور دوسرے علما کے مصنفات متعلقہ تشریحات مین پائی جاتی ہے) یہ ابخرہ خون کے ساتھ رگ اور شرائین مین متسع ہو جاتا ہے، اسکی وساطت سے حس وحرکت، اور تمامی جسمانی اور ادو ظایف کا نظام عمل قایم ہے، اسکے لطیف اجزا دماغ مین صعود کرتے ہین، اور دماغ سے برودت (یا رطوبت) زایل ہو جاتی ہے، اور اعمال قوی جو معطل رہتے ہین، تیار ہو جاتے ہین، اسلئے نفس عقلیہ محض روح بخاریہ کی وساطت سے فہم ودرک حاصل کرتا ہے، نفس عقلیہ کے مدرکات کی دو قسمین ہین، ایک تو وہ درک جو حواس خمسہ ظاہری کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے، اور دوسرا وہ جو حواس خمسہ باطنی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اور تمام محسوسات ظاہرہ وباطنہ نفس عقلیہ کو جواہر روحانیہ کا ادراک نہین کرنے دیتے جو حیات سے بالاتر ہین، چونکہ حواس ظاہرہ کا تعلق جسمانیات سے ہوتا ہے، اسلئے انھین تکان اور محنت کے باعث بے خبری (غفلت یا نیند) ضروری ہے، اسوقت نفس، ہجوم مشاغل کے باعث بیہوش ہو جاتا ہے، اسلئے خدا نے اس مین جستجوئے استراحت کا ذوق پیدا کر دیا ہے، تاکہ اسکی قوت مصورہ مین تازگی ہوتی رہے، یہ اسوقت ہوتا ہے جب روح حیوانیہ سے حواس ظاہری کے تمام حجابات ہٹ جاتے ہین، اور وہ حواس باطنی کی طرف عود کرتی ہے، جب جسم پر بے خبری کا تسلط ہو جاتا ہے، رات کی سردی اس امر کی مؤید ہے، حرارت غریزیہ جسم کے تمام پرسکون مقامات مین روح حیوانیہ کے ساتھ ظاہر سے باطن کی طرف دوڑتی پھرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر لوگون کو رات ہی کے وقت نیند آتی ہے)۔

اسلئے روح جب حواس ظاہری سے حواس باطنی کی طرف رجوع کرتی ہے، اور نفس سے حجابات اور موانع کی گرانی کم ہو جاتی ہے، اور جب یہ ان صور واشکال کی طرف لوٹتی ہے، جو قوت حافظہ مین جمع رہتے ہین اسوقت (قانون) حل وعقد کے ماتحت خیالی صورتین سامنے آجاتی ہین، جو مرقع اور عامیانہ ہوتی ہین چونکہ یہ صورتین انھین منبع معلومات سے پیجاتی ہین، جو عام اور معہود ہین، اور اسکے بعد وہ "حواس عامہ" جسے حواس ظاہری کی متحدہ صورت کہہ سکتے ہین اسے حواس خمسہ ظاہری کے مختلف طریقون کے مطابق سمجھتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ نفس ایک لحظہ کے لئے اپنے جوہر روحانیہ کی طرف چلا جاتا ہے، (حالانکہ اسوقت قوائے باطنی متصادم رہتی ہین) اور اپنے ادراک روحانیہ کے ذریعہ

بعض علم و وقوف حاصل کرتا ہے، اسے چیزون (خیالات) کی بعض صورتین دستیاب ہوتی ہین، جو اسکے بعد اسکی ذات سے وابستہ ہوجاتی ہین، اسکے بعد قوت مصورہ ان صور (مدرکہ) کو لیتی ہے، اور انہین یا تو انکی اصلی شکل مین پیش کرتی ہے، یا مجازی رنگ مین، جب مجازی۔ اثر ہوگا تو تاویل کی ضرورت ہوگی، بعض اوقات نفس کی جدت طرازیون (قانون حل و عقد کے ماتحت حافظہ جو صورتین پیش کرتا ہے) "اضغاث احلام"[1] (خوابہائے پریشان[2]) کی صورتین رونما ہوتی ہین، اور یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا تین طرح کا خواب ہوتا ہے، لاہوتیہ، ملکوتیہ، اور شیطانیہ[3] اس تفصیل کا وہی مطلب ہے جسکا مینے اوپر تذکرہ کیا ہے، جو خواب بیّن ہوگا وہ لاہوتی ہے، جسپر رنگ مجاز غالب ہو وہ ملکوتی ہے، اور "خوابہائے پریشان" (اضغاث احلام) شیطانیہ ہین۔

یہ انسانی نفس کی متاع خاص ہے، اور عام انسان مین مشترک ہے، کوئی انسان اس سے خالی نہین ہر انسان نے اپنی زندگی مین متعدد بار ایسا خواب ضرور دیکھا ہوگا، جو عالم بیداری مین بعینہ حادث ہوا ہو، اور اس سے نتیجہ نکالا ہوگا، کہ نفس نیند کے اندر عالم غیب کے سرچشمہ سے علم و عرفان حاصل کرسکتا ہے، اور جس طرح یہ نیند مین ممکن ہے، اسی طرح دوسرے منازل "حال" مین بھی ممکن الوقوع ہے، کیونکہ ذات مدرک (علم حاصل کرنے والی) ایک ہے اور اسکی خصوصیات ہر "حال" کے لئے مشترک پہلو رکھتی ہین، خواب کا زیادہ حصہ انسانی قصد اور ارادہ سے بالاتر ہوتا ہے، یہ صرف اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ نفس کسی چیز کا متلاشی رہتا ہے، اسوقت انسان کو نیند آتی ہے، اور وہ خواب دیکھتا ہے، یہ وجہ نہین ہوا کرتی، کہ نفس چاہتا ہے کہ خواب دیکھین، اور اسکے ارادہ سے خواب کا ظہور ہوتا ہے، ان ارباب فضل کی تصانیف مین جو مجاہدہ زاہدانہ اور ریاضت صوفیانہ کے متعلق ہین بعض اسماء پائے جاتے ہین، اگر سوتے وقت یہ اسماء پڑھ لئے جائین تو جس شے کو خواب مین دیکھنا ہو، اُسے انسان دیکھ سکتا ہے، انہین "حلومیہ" کہتے ہین[4]۔ ایک مصنف ان مین سے ایک اسم کا تذکرہ کرتا ہے، اور اسے حلومۂ "طبیعت کاملہ" سے تعبیر کرتا ہے، اسکا عمل یہ ہے کہ سونے وقت، مذہبی اشتغال سے فارغ ہونیکے بعد توجہ کامل کے ساتھ انسان یہ اسم پڑھ لے[5] طالب کو چاہئے کہ اپنی حاجت پیش نظر رکھے، کیونکہ نیند کے اندر جسکی طلب ہے، وہ ظاہر ہوجائیگا، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے

---

[1] قالوا اضغاث احلام وما نحن بتأویل الاحلام بعالمین (سورۂ یوسف) ابن خلدون نے "اضغاث احلام" ہی لکھا ہوگا کیونکہ میکڈونلڈ نے اسکے بعد سورۂ یوسف کا حوالہ دیا ہے، اسنے (Bundles of Dreams) اسکا ترجمہ کیا ہے، جارج سیل نے اسے Confused Dreams لکھا ہے [2] الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان کی حدیث بخاری کی کتاب التعبیر مین بروایت ابی قتادہؓ پائی جاتی ہے، اس مین خواب ملکوتیہ کا تذکرہ نہین لیکن لاہوتیہ اور شیطانیہ کے اقسام موجود ہین [3] یہان میکڈونلڈ لکھتا ہے، یہ غالباً عبرانی لفظ "حیلوم" سے مشتق ہے، جسکے معنی "خواب" ہین، [4] اس مقام پر میکڈونلڈ نے قوسین کے اندر لکھا ہے کہ یہان چند ایسے حروف کا غیر مفہوم مجموعہ ہے، جنکا تلفظ مین نہین کرسکتا، غالباً یہ عبرانی یا شامی لغت کے الفاظ ہین۔

چند راتون کی تیاری کے بعد یہ عمل کیا، تب ایک صورت ظاہر ہوئی، اور اسنے کہا، مین تمھاری "طبیعت کاملہ" ہون اس آدمی نے سوال کیا، اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس "صورت" نے اسے بتایا، علامہ ابن خلدون کہتا ہے، مینے خود بھی یہ اسماء پڑھے ہین، اور نیند مین عجیب و غریب شکلین نمودار ہوئین، جن سے مجھے اپنے ان واقعات کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوئے، جن کو مین جاننا چاہتا تھا، لیکن اسکا یہ مطلب نہین کہ جستجوے خواب سے یہ ظہور پذیر ہوتا ہے، بلکہ صرف یہ ہے کہ ان اسماء سے نفس مین حدوث رویت کے لئے استعداد پیدا ہو جاتی ہے، اسلئے نفس جسقدر مستعد ہوگا، اسی قدر اس شے سے جس کے لئے اسکی مستعدی ہوگی قریب تر ہو جاویگا۔

(باقی آیندہ)

عبد الماجد (آروی)

علم الکیمیا کا ایک حیرت انگیز معجزہ

کایا پلٹ ہیر آیل

کہنے کو صرف یہ تیل ہے لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے اکسیر کو بھی مات کرتا ہے۔ یہ تیل نہایت قیمتی اور نادر الوجود نباتاتی و کیمیاوی اجزا سے جدید اصول پر طیار کیا گیا ہے جسکی تصدیق بڑے بڑے سائنسدانون نے کی ہے۔ اسکے فوائد کی تفصیل مختصر اشتہار مین ناممکن ہے۔ مختصراً یون سمجھ لیجئے کہ گھر مین اسکی ایک شیشی رکھنا گویا بہت سے امراض کو دفع کر دینا ہے۔

(۱) اگر چندیا کے بال صاف ہوگئے ہین یا بالخورہ اور گنج ہوگیا ہے یا بال گرنا شروع ہوگئے ہین یا کمزور و باریک ہوگئے ہین یا سفید ہونے لگے ہین تو اس تیل کا استعمال بالون کی جڑون کو فاسد رطوبتون سے صاف کرکے بال کا گرنا موقوف کر دیگا، بال بڑھائیگا اور جہان جہان کے بال گر گئے ہین وہان نئے بال سیاہ پیدا کریگا۔

(۲) جن کو نزلہ درد سر یا شقیقہ دوران سر ضعف دماغ ضعف بصارت بے خوابی اور نسیان وغیرہ کی شکایت رہتی ہے ان کیلئے یہ تیل بڑی نعمت ہے، نزلہ کو فوراً روکدیتا ہے اور دماغ و بصارت کو قوی کرکے عجیب قسم کا سکون پیدا کر دیتا ہے اور عینک کے استعمال کو غیر ضروری کر دیتا ہے۔

(۳) شدت تپ کی حالت مین اسکی مالش فوراً ہذیانی حالت کو دور کرکے پسینہ لے آتی ہے اور بخار کو کم کر دیتی ہے۔

(۴) ہمیشہ کا امراض سے بچنے کیلئے ہمہ اوقات اسکا استعمال کیجئے اور تمام اثرات ... [illegible] اور سوزشون مین یکقلم دور کر دیتا ہے۔

(۵) سر اور جسم کے پھوڑیان پھنسیان، گرمی دانے، خارش اور ہر طرح کے جلدی امراض اسکی مالش سے کافور ہو جاتے ہین۔

(۶) اس کے استعمال سے بال نرم چمکدار، بڑے اور مضبوط ہوتے ہین اور تقویت دماغ کی وجہ سے چہرہ پر ایک خاص قسم کی تازگی اور نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

(۷) یہ تیل اپنی بھینی خوشبو کی وجہ سے بھی عجیب چیز ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کا استعمال کرنیوالا کبھی کسی اور تیل کو پسند نہین کر سکتا۔

(۸) اس تیل کا استعمال اگر حفظ ما تقدم کے لحاظ سے کیا جائے تو پھر کوئی وہ شکایت پیدا نہین ہو سکتی جن جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کسی کو ہمارے دعوی کے مطابق نہ ہو تو قیمت واپس کر دینیکا وعدہ کیا جاتا ہے

جوابی امور کے واسطے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ قیمت معہ محصول ڈاک ...

مینجر کایا پلٹ ہیر آیل۔ لکھنؤ

شیطان کی آنت

مین اکثر غور کرتا رہا ہون کہ آخر شعرا درد گردہ مین کیون نہین مبتلا ہوئے اور اگر ہوئے تو اُنہون نے اسکا تذکرہ کیون نہین کیا۔ جہان تک انکے "اعترافات" (کلیات اور دواوین) کا تعلق ہے یہ اعضاء رئیسہ کی ہر قسم کی بیماری مین مبتلا پائے گئے (جن مین دل و جگر کو خاص امتیاز حاصل رہا ہے۔ اس قسم کے شاعرانہ امراض اور اُنکے نتائج و عواقب کی مکمل داستان شعراء لکھنؤ کے کلام مین زیادہ تر پائی جاتی ہے) اسلیے مین نے عین حالت بیماری مین اس دفعہ لکھنؤ کا قصد کیا اور اس مقصد سے کہ وہان پہونچکر اس حقیقت کی تفتیش کرونگا جس کا تذکرہ اس مضمون کے اولین جملہ مین کیا گیا ہے یا بقول لکھنؤ والون کے جو سوال اس مضمون مین "چھوٹتے ہی" کیا گیا ہے میرے نزدیک مرض کی کوئی نہ کوئی حد ہونا چاہئے، بصورت دیگر مریض کو اختیار ہے کہ وہ حد سے گذر جائے جسطرح پر ہمیشہ تندرست رہنا بھی غیر طبیعی ہے اسیطور پر ہمیشہ بیمار رہنا بھی بدمذاقی ہے۔ پھر چونکہ یہ دور ترقی و تہذیب کا ہے یعنی تم جو چاہو کر سکو یا نہین تمھاری بیویان جو چاہین کر سکین، مین نے گردہ صاحب کی متواتر اور مسلسل کئی ماہ تک تالیف قلوب کی لیکن جب دیکھا کہ میرے اغماض اور چشم پوشی کو یہ ایک روشن خیال تعلیم یافتہ بیوی کے مانند میری کمزوری پر محمول کرنے لگے ہین تو پھر اس اندیشہ سے کہ کہین مین بالکل مہذب ہی نہ بن جاؤن مین نے ایکدن گردہ صاحب کو نوٹس دیدیا "بنابر دکھانے اس وجہ کے، کہ چونکہ اب تک میرا سلوک تمھارے ساتھ نہایت درجہ شریفانہ رہا ہے اور مین نے تمھاری زیادتیون پر چشم پوشی کی ہے لیکن تم اسکو میری کمزوری اور اپنی خوش نصیبی پر محمول کرتے آئے ہو اس لئے مین تمکو آخری بار متنبہ کرتا ہون کہ راہ راست پر آجاؤ ورنہ پھر سمجھ لو مین عمر بھر اور ہمہ وقت مہذب رہنے کا کسی طور پر پابند نہین ہون اور اپنے فطری حربہ جہالت سے تمھارا تدارک کرونگا۔ میری اس بجا اور باضابطہ نوٹس کا جواب ایک "برنجی قہقہہ" (اس ترکیب کے جواز مین "نقرئی تبسم" پر غور فرمائے) سے دیا گیا۔ یہی نہین بلکہ گردہ صاحب نے اور ہاتھ پاؤن پھیلائے اور نہایت بے باکی کے ساتھ جگر اور معدہ کے حدود مین اپنا اقتدار "شہنشاہت" پھیلانے لگے۔ جگر، معدہ، آنتین یہ سب ہماری نہایت صلح جو، مرنجامرنج اور وفادار رعایا تھین جن سے ہمکو عمر بھر آرام و اطمینان نصیب رہا۔ لیکن اطباء اور ڈاکٹرون نے تشخیص کیا کہ یہ کرتوت انہین کا ہے۔ گردہ صرف بدنام ہے۔ بحیثیت ایک جدید الخیال حکمران کے جو صرف ماہرین فن کے فتاوی پر حکومت کرتا ہے ہم ان وفادارون سے بدظن ہو گئے اور چونکہ بادشاہ کی بدظنی کی معنی جنگ و خونریزی کے ہین اسلئے ہم نے اونکے خلاف معجون، عرقیات، جوشاندہ، حبوب، سفوف وغیرہ قسم کی تادیبی ارضی و فضائی مہمین روانہ کرنی شروع کر دین۔ ان بیچارون نے صدائے احتجاج بلند کی کہ یہ سب گردہ کی بالشوزم یا شہنشاہیت ہے ہم لوگ اب تک وفادار خیر اندیش "برٹش سبجکٹ" ہین۔ چنانچہ ایک رات جبکہ زلف شب گردہ تک پہونچ چلی تھی ہم علیگڈھ سے کنگ جارج میڈیکل کالج لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے اور ارادہ کر لیا کہ اس کمبخت گردہ کو بالکل "مٹیا برج" (اس لفظ کے معنی غور طلب نہین ہین

بلکہ اسکی ہیئت صوتی داد طلب ہے۔ بناڈالونگا۔ بیوی بچون سے کہدیا کہ حکیم صاحب (حکیم عبداللطیف صاحب وائس پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ) کا اصرار ہے۔ وہ لکھنؤ کے خربزے کھلانے لیجارہے ہین تمھارے لئے بھی بھیجونگا۔ غرض دوسرے دن دوپہر کے قریب لکھنؤ پہونچ گیا اور جھوائی ٹولہ مین مقیم ہو گیا۔

چار دن تک حکیم صاحب کا مہمان رہا اور اس دوران مین بالائی، قفلی، پراٹھے، بریانی اور قورمہ کھاتا رہا اور حکیم صاحب کے تانگہ پر ہاضمہ اور میڈیکل کالج مین داخل ہونے کے ابتدائی مراحل طے کرتا رہا۔ ایکبار خیال آیا کہ جب تک میڈیکل کالج مین نہین داخل ہوتا اطبائے جھوائی ٹولہ کو بھی اپنے مرض سے آشنا کرادون چنانچہ ایک روز صبح سے دوپہر تک نبض اور قارورہ کے ساتھ «نائی کا نوشہ» بنا رہا۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ حسن بن حجر ثقیل «ولندیزی» زبان مین یہ مرض تشخیص کرتے رہے اسکے معنی کچھ بھی میری سمجھ مین نہ آئے اور دریافت کرنے کی یون ہمت نہ ہوئی کہ کہین واقعی ایسا ہی «حجر ثقیل» مرض بھی نہ ہو۔ نا انصافی ہوگی اگر اس سلسلہ مین حکیم صاحب کے تانگے اور گھوڑے کا تذکرہ نہ کیا جائے کیونکہ میرا خیال ہے اس تانگے مین سوار ہونیسے بہت سے امراض خود بخود زائل ہو سکتے ہین اور کتنے ہی غیر متوقع امراض پیدا بھی ہو سکتے ہین۔ تانگے کا گھوڑا بھی خواجہ سرا ہے یعنی مشکی اور آختہ۔ اس تانگے مین کامیابی کے ساتھ صرف وہ لوگ سوار ہو سکتے ہین جنکو موٹر سائیکل پر بیٹھنے کی مہارت ہو آپ بیٹھنے کا ارادہ کرینگے اور یہ چل دیگا ان «حرکات مذبومی» کی اطلاع حکیم صاحب نے پہلے سے دیدی تھی لیکن اسکی ضرورت نہ تھی۔ ہم بھی اپنے مکرم دوست سید عبدالجلیل صاحب کے تانگے پر بیٹھنے کی مشق کر چکے تھے۔ اسلئے ہمکو کوئی تشویش نہ تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ حکیم صاحب کا گھوڑا صرف «سلف اسٹارٹر» تھا اور جلیل صاحب کا «سلف اسٹارٹر» (self starter) اور «کک اسٹارٹر» (Kick starter) دونوں۔ دونون کے صرف رنگ مین فرق تھا ورنہ عادت و اطوار کے اعتبار سے یکسان تھے۔ مین نے ان تانگون سے دور رہ کر اکثر اس مسئلہ پر غور کیا ہے کہ حکیم صاحب اور جلیل صاحب دونون اتنے شریف النفس دوست پرست اور مخلص ہونیکے باوجود اس قسم کے بے لگام اور عافیت عامہ مین خلل انداز ہونے والے گھوڑے کیون رکھتے ہین اور اکثر اس مسئلہ پر غور کرتے کرتے مجھپر ضمیر انسانی کی بعض دلچسپ و متبائن کرشمہ کاریان بھی منکشف ہوئین یعنی ایک ہی جذبہ سے متاثر ہوکر دو شخص دو مختلف یا متضاد فعل کے مرتکب ہو سکتے ہین اور خراج تحسین بھی وصول کر سکتے ہین۔ مثال مین ان دونون گھوڑونکو پیش نظر رکھئے۔ حکیم صاحب نے طب و تحفظ کے نقطہ نظر سے اپنی شکین نسب گھوڑے کو آختہ کرا ڈالا، جلیل صاحب نے انسانی نقطہ نظر سے اُسے گوارا نہ کیا۔ اب دیکھنا یہ رہ گیا ہے کہ اس طبی اور انسانی نقطہائے نظر مین کیا فرق ہے۔ یہ بحث زیادہ طویل ہو جائے گی اس لئے اب اسکو یہین ختم کر دینا چاہیے۔ بہر حال میرے نزدیک غالباً وہی فرق ہے جو ایک طبیب اور غیر طبیب مین ہونا چاہیے!

حکیم صاحب کے تانگہ پر بیٹھنے کے بعد کوئی شخص نہ اپنے آپکو محفوظ خیال کر سکتا ہے اور نہ دوسرون کو جو سڑک پر چل رہے ہون یا دوکان پر بیٹھے ہون، «بسچال جیسے کڑی کمان کا تیر»۔ تیور جیسے کسی دیہاتی تھانہ کا تھانیدار کسی دیہاتی ٹٹو یا گھوڑے پر سوار ہو۔ جلیل صاحب کے موٹر کے مانند صبا رفتار نہین بلکہ انکے گھوڑے کے مانند طوفان رفتار۔

مرض اور ازالۂ مرض کے سلسلہ مین حکیم صاحب کے ساتھ مین ڈاکٹر بھاٹیا صاحب کی کوٹھی میڈیکل کالج اور بعض دیگر

مقامات پر موٹر مین بھی گیا ہون لیکن تیز رفتاری کا رعب مجھ پر جیسا کچھ حکیم صاحب کے تانگے کا ہے موٹر کا کبھی نہین ہوا۔ اس تانگہ پر قطع مسافت اتنی ہی سریع اور شاید مردافگن ہے جتنا خطرۂ جسم وجان متیقن۔ گومتی کے کنارہ یہ اس بے پناہ رفتار سے جا رہا تھا جیسے میجر سر سیگریو کا موٹر۔ مجھے خیال نہین بلکہ یقین تھا کہ اگر جادۂ مستقیم سے ایک آدھ درجہ بھی لگام ادھر اُدھر ہوئی تو پھر یہ تانگہ بلا تکلف گومتی کے لہرون سے دست وگریبان نظر آتا۔ یہ لکھنؤ میونسپلٹی کی غلطی اور ستم ظریفی ہے کہ اسنے سڑک اور دریا کے درمیان کسی قسم کی حدبندی نہین کی ہے میری تجویز ہے کہ اس بارہ خاص مین جو شخص یا ممبر میونسپلٹی قصوروار ہو اوسکو حکیم صاحب کے تانگے پر سوار کرا کے "ریور بنک روڈ" (River Bank Road) کی طرف ہانک دینا چاہیے۔

اس تانگے پر مین نے اکثر محسوس کیا ہے کہ میرا اصلی مرض یکلخت کافور ہو گیا ہے۔ لیکن دو چار دوسرے مرض پیدا ہو گئے ہین۔ ہمارے حکیم عبداللطیف صاحب کی ایک کمزوری ہے جس سے ممکن ہے وہ انکار کرین لیکن یہ یقینی ہے کہ اس سے نجات نہین حاصل کر سکتے۔ اور وہ برف ہے۔ میرا خیال ہے اگر گرمی کے موسم مین برف نہ ملے اور صرف قطب شمالی پر اسکا پتہ لگے تو حکیم صاحب یقیناً اپنے ہی تانگہ پر قطب شمالی کے لئے روانہ ہو جائین گے۔ ایکدن ہم سب، خدا رکھے، اسی تانگہ پر قارورہ کا امتحان کرانے کے لیے پتھالوجی ڈیپارٹمنٹ آئے۔ زینون پر چڑھتے اُترتے، مختلف مقامات پر آتے جاتے کم سے کم مین تو نہایت خستہ ہو گیا تھا۔ دوپہر ہو چکی تھی، دھوپ کی شدت، لُو اور گرمی کا غلبہ، سوء اتفاق حکیم صاحب کو پیاس کا غلبہ ہوا فوراً مجھے ساتھ لے کر تانگے پر بیٹھ چوک کے لئے روانہ ہو گئے۔ مین نے دریافت کیا کہان کا قصد ہے کہنے لگے چوک چلکر برف پیون گا۔ تانگہ چوک مین اسطور پر داخل ہوا ہے جیسے کوئی بھونچال آگیا ہو۔ کسی دوکان والے کے پردہ سے الجھا، کسی کا سائن بورڈ سربسجود ہو گیا اور ہماری یہ حالت۔

رو مین ہے رخش "برف" کہان دیکھئے تھمے ۔۔۔ نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین

کتنے برف والون کی دوکان راستے سے گذر گئی اور کتنے اپنی جان اور اعضا وجوارح کی خیر مناتے اور ہمکو گھورتے اور بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر کترا گئے گھوڑا اسطور پر بے محابا گذر رہا تھا جیسے بلوائیون کے ہجوم سے سوار پولیس کا دستہ۔ لیکن حکیم صاحب اسطور پر خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے گویا یہ سب کچھ متوقع بھی تھا اور خوش آیند بھی۔ میرا حلیہ "ان جاکیون" کا تھا جو گھوڑ دوڑ مین گھوڑون کی پشت پر نظر آتے ہین۔ عجب ثم العجب، گھوڑے نے ایک ایسے مقام پر جاکر دم لیا اور "جھمنے لگا" جسکے ایک طرف "کارگاہ شیشہ گر"، دوسری طرف مٹی کے کھلونے والے اور اوپر "کم خرچ بالانشینون" کا عشرت کدہ تھا۔ مجھے اس مقام کی تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی واقفیت نہ تھی، میرا ذاتی تجربہ تو یہ ہے کہ اس تانگے پر انسان سوائے تحفظ ذات کے گرد وپیش کے حالات ومناظر پر مطلق غور نہین کر سکتا۔ اور یہی نہین بلکہ اسپر سے اُترنے کے بعد بھی تھوڑی دیر تک اپنی اعضا وجوارح کو ٹٹولتا رہتا ہے کہ ان مین سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر صحیح سالم موجود بھی ہے یا نہین۔ لیکن جب مین نے دیکھا کہ حکیم صاحب کے چہرہ پر دائمی شگفتگی کے بجائے کچھ کبیدگی اور تنغص کے آثار پیدا ہین تو مین نے سمجھا کوئی بات بموقع ضرور ہے۔

چنانچہ ہم سب تانگہ سے اتر آئے اور اُسے بدقت تمام ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا گیا جسے ایکطور پر ایک طویل سائبان کہنا زیادہ موزون ہوگا۔ اس سائبان کے عرض مین تو کئی دروازے تھے لیکن طول مین صرف ایک در تھا۔ کشادہ و مسطح دوسرے کنارہ پر کوئی دروازہ نہ تھا۔ بلکہ محض ایک بلند دیوار۔ اس سائبان کا عرض زیادہ سے زیادہ چھ فٹ ہوگا۔ غرض تانگہ کھڑا کر دیا گیا اور ہم لوگ برف اور شربت کی مہم پر روانہ ہوئے۔ ابھی ایک لورا گلاس بھی ختم نہ کر پائے تھے کہ

اک شور طوفان خیز اٹھا ہے

کے بجائے ایک شور مردم خیز اٹھا۔ پھو نکر دیکھتے ہین تو گھوڑا اور تانگہ دونون سائبان مین داخل ہین اور سامنے کی دیوار پر چھاپہ مار رہے ہین گھوڑا۔ تانگہ۔ سائیس اور تماشائی سب کے سب دست افشان۔ پائے کوبان۔ نعرہ زنان۔ لڑکے تالی بجا رہے تھے۔ عورتین چیخ رہی تھین بوڑھے بددعائین دے رہے تھے اور نوجوان کچھ ہماری مدد کر رہے تھے اور کچھ گھوڑے اور تانگے کی۔ غرضکہ کسی نہ کسی طرح تانگہ نکالا گیا اور ہم سب ایک دفعہ پھر میڈیکل کالج کے لئے روانہ ہوگئے اور وہان سے تقریباً دو بجے دنکو جھوائی ٹولہ واپس ہوئے۔ حکیم صاحب اس مہم سے ایسے مسرور و مطمئن تھے جیسے میجر سر سیگریو ۲۳۱ میل فی گھنٹہ کا موٹر ریکارڈ قایم کر کے تماشائیون کے ہجوم مین داخل ہو رہے ہین۔ اور میری یہ حالت کہ بس چلتا تو اپنے ساتھ ساتھ اس گھوڑے کو بھی میڈیکل کالج مین داخل کرا دیتا۔ سنا ہے آختہ ہونے سے قبل اس گھوڑے کی تاریخ اور زیادہ ہولناک تھی سازر کھے جانے سے قبل پہلے تو اُسکی آنکھون پر پٹی باندھی جاتی تھی پھر گردن مین موٹی رسی ڈالکر دونون طرف سے دو دو آدمی رسی کا سرا مضبوط پکڑتے تھے اور پھر دوسرے دو آدمی مضبوط ڈنڈے لیکر وقتاً فوقتاً انکے ساتھ تفریح کرتے جاتے تھے لیکن باوجود اس قسم کے غیر شاعرانہ سلوک کے ایک دفعہ آپ نے کسی سائیس کا ہاتھ چبا ڈالا۔ ان اعمال حسنہ کے ہوتے ہوئے کوئی تعجب نہین اگر انکے آختہ کر دینے کا فیصلہ کر دیا گیا ہو۔ لیکن یہ سلوک میرے نزدیک کسی حد تک قبل از وقت اور جابرانہ تھا۔ بعض بزرگون کا خیال ہے کہ ہمکو جانورون سے بھی وہی سلوک کرنا چاہئے جو ہم خود بنی نوع انسان کیلئے روا رکھتے ہین۔ اس نظریہ کے ماتحت اس گھوڑے سے بلکل مختلف قسم کا سلوک ہونا چاہئے تھا۔ کسی ہندوستانی نوجوان کو بے راہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہین تو والدین جلد سے جلد اوسکی شادی کر دیتے ہین اور یہ شکنجۂ ازدواجی سارے شاعری خاک مین ملا دیتا ہے۔ اسیطور پر میرا خیال ہے اس گھوڑے کو آختہ کرنے کے بجائے متاہل زندگی بسر کرنے کا موقعہ دیا جانا چاہئے تھا۔ ممکن ہے کہ صاحب کے ذہن مین یہ خیال آیا ہو لیکن دقت یہ رہی ہو کہ اس جنس کی صنف نازک نے ان بزرگ کو "نا مہذب" قرار دیکر مردود کر دیا ہو!

میرا خیال ہے یہ گھوڑا پوری طور پر آختہ نہین ہوا ہے اور یہ ناممکن بھی تھا۔ جب ان بزرگ کا یہ عالم ہو کہ اپنے فرایض منصبی ادا کرنے کے خلاف اسطور پر آمادہ جنگ رہتے ہون تو پھر کسی ایسے سلوک کو آسانی کے ساتھ کیونکر گوارہ کیا ہوگا جو سراسر انکے فرایض جنسی کے منافی تھا اگر اکس ریز (X - Rays) سے انکا معائنہ کرایا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ آپریشن ٹھیک نہین ہوا، اور بعض سرکش غدود قطع برید سے بچ گئے ہین اور وہی آمادۂ فساد ہین۔

مین نے کوشش کی تھی کسی عزیز۔ دوست، دشمن کو میرے ارادۂ عمل جراحی کی خبر نہ ہونے پائے لیکن مجھے کیا معلوم تھا پردۂ تقدیر نہین بلکہ پردۂ تحریر مین کیا ہے۔ لکھنؤ مین ہمارے دوست اور رفیق کار مسٹر مشیر احمد علوی بی۔ اے (علیگ) ملگئے۔ ایک روز ذرا دیر کے یے ملاقات ہوئی تھی، تھوڑی سی گفتگو ہوئی اور پھر ہم دونون رخصت ہوگئے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ ہماری آمد اور ارادہ کی خبر لکھنؤ کے کسی روزنامہ مین موجود ہے۔ اب کیا تھا۔ راز کا افشا ہونا تھا کہ احباب و اعزہ صف اندر صف اور قطار اندر قطار چلے آرہے ہین۔ خطوط اور تار انکے علاوہ!

اب میرا زیادہ وقت موت و حیات کے فلسفہ یا تندرستی و مرض کے نظریہ پر بحث کرنے مین صرف ہوتا تھا کوئی شخص ایسا نہ تھا جسکے ذہن یا تجربہ مین کوئی بات ایسی نہ آئی ہو جو میرے ارادہ کے نامعقول یا نامسعود ہونیکے مقابلہ مین نص قطعی کا حکم نہ رکھتی ہو ایک صاحب نے فرمایا اس قسم کے عمل جرّاحی سے عہدہ برا ہوتے تو کسی کو دیکھا نہین۔ فلان شخص اپریشن کراتے ہی جان بحق ہوا۔ مین نے کہا میرا ارادہ جان بحق ہونیکا نہین ہے۔ یون اسکو کیا کیجئے گا لوگون کی شادیان بھی ہوجاتی ہین، مر بھی جاتے ہونگے۔ پھر اسکو کیا کیجئے مین ایسی زندگی کو موت سے زیادہ ہولناک سمجھتا ہون۔ جس مین انسان زندگی کے فرایض اور لذاید دونون سے محروم رہے۔ انسان اپنے بیوی۔ بچون، اعزہ اور احباب کی نسبت سے زندگی کو ناچیز یا محبوب سمجھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ انہین سے خاطر خواہ طور پر عہدہ برآ ہونا کامیاب اور کامران زندگی کی دلیل ہے۔ کیا اگر مین انکی تقویت یا تفریح کے بجائے انکے لئے بار گران ہو کر رہا۔ مانا۔ انکی ہمدردی اور شیفتگی میرے مریض وجود کو بار گران نہ سمجھے لیکن کیا ہوا اگر مین ہردم و ہر لحظہ یہ محسوس کرتا رہا کہ یہ صورت حال بدلنے والی نہین ہے اور مین خود تکمیل فرایض کی مسرتون اور خوش آیند توقعات سے لطف اندوز ہونے کے بجائے جو زندگی کی ناگزیر شداید اور تلخیون کو دلچسپ اور محبوب بناتی ہین صرف ایک پیکر حزین یا جسد معطل بنکر رہ گیا جپر صرف حیات کی درماندگیون کا اطلاق ہوسکے۔ مین بذات خود زندگی کو ایک ذمہ دارانہ تفریح سمجھنے کا عادی رہا ہون اور ہر ایسی حالت یا واقعہ کو جلد سے جلد بھول جانے کا خوگر ہون جو زندگی کے اس مفہوم کا منافی ہو۔ لیکن اندنون مسلسل اور غیر شاعرانہ طور پر بیمار رہنے سے میری طبعی شگفتگی مضمحل ہونے لگی تھی اور یہی سبب ہے کہ مین نے ایک آخری اور قطعی فیصلہ پر پہونچنے کا جلد سے جلد عزم کر لیا۔ اب رہا یہ کہ مین جانبر نہ ہوسکونگا تو کیا ہوگا۔ بیوی بچون پر کیا گذرے گی۔ یہ صورت حال بھی ایک سمجھدار شخص کے نزدیک ناقابل تسخیر نہ ہونا چاہئے۔ ایک مجہول اور مریض شوہر یا باپ اپنے بیوی بچون کے لئے ایک متوفی باپ یا شوہر سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا بشرطیکہ وہ اتنی دولت و ثروت کا مالک نہ ہو جو اسکے روزی کمانے یا نہ کمانے سے بے نیاز ہو۔ اور میری حالت ایسی نہین ہے۔ پس میرے نزدیک لوگون کی انتہائی گمراہی یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقین کی صلاح و فلاح کا تنہا اپنے آپکو ذمہ دار سمجھتے ہین۔ اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا یا شاید دنیا اور اسکا نقشہ دونون ناپید ہوتے۔ دنیا مین کافی مثالین ایسی ملین گی جسمین

بیوہ اور یتیم کافی عافیت اور شہرت کے ساتھ داد حیات دیچکے ہین۔ اسی طور پر کافی مثالین ایسی بھی ملین گی جہان شوہر اور باپ کی موجودگی مین بھی صرف محرومیان حصہ مین آئی ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ انسان کی کمزوری ہے اور اسکی بے بنیاد دہشتین ہین جنکے سبب سے اوس نے اپنے مرنیکے عدم جواز مین یہ افسانے اور کمزور دلائل قایم کرلئے ہین۔ مرنے اور بیوی بچون کے چھوڑ جانے کی تو مصیبت عام ہے بہت کم گھرانے ایسے ہون گے جہان یہ ہولناک حادثے نہ پیش آئے ہون گے۔ اگر ہمارے گھر مین یہ مصیبت پیش آنیوالی ہے تو بُرا ماننے یا ضرورت سے زیادہ ماتم کرنیکے کیا معنی۔ ایک ایسا سانحہ جو تمام دنیا اور تمام خاندان کے لئے عام ہے آخر میرے خاندان کے لیے کیون نہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ ہر شخص اور ہر خاندان کی کفیل خود دنیا اور اسکی بو العجبیان ہین یا اگر ہمارے ناظرین زیادہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال نہ ہون تو مین کہون گا کہ اس مین تھوڑا بہت خدا کا بھی ہاتھ ہوتا ہے اور جب ہم خدا کے قائل ہین تو اسکی واضح یا پُر اسرار قدرتون اور مصلحتون کا بھی قائل ہونا پڑیگا۔!!

میرے ایک دوسرے دوست استاد اور بزرگ، جو میرے خیال مین مجھے اسدرجہ عزیز رکھتے ہین جتنا شاید مین کوشش بھی کرون تو خود اُنکو یا کسی دوسرے کو عزیز نہین رکھ سکتا یا جس حدتک وہ میرے لئے قربانی یا ایثار کرسکتے ہین مین اونکے لئے نہین کرسکتا اور نہ شاید آمادہ ہوسکتا ہون، مرے اس ارادہ کے موئید تھے لیکن مین محسوس کرتا تھا کہ اُن کا عزم و استقلال، محبت یا بشریت کی بنا پر مرے اس ارادہ سے کبھی کبھی متاثر اور متزلزل ہوجاتا تھا۔ چنانچہ مین نے ایک موقعہ پر بسبیل تذکرہ انسے عرض کیا کہ آپ دیکھتے ہین۔ مرض کی آئے دن کی مصیبت کیسی تلخ ہے آپکو یہ بھی معلوم ہے اس صورت حال کے ماتحت زندگی کا کوئی مقصد نہین رہ جاتا۔ آپ جانتے ہین اب اس کا علاج صرف اپریشن رہ گیا ہے۔ رہا یہ کہ عمل جراحی کامیاب ہوگا یا ناکامیاب۔ بصورت اول فہو المراد، بصورت دیگر یہ دیکھنا ہے کہ اس انجام کا کیا انجام ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آخری انجام پر وقوف نہ ہو اس پر حکم لگانا بے محل اور غلط طریقہ کار ہے۔ آخری انجام ایک ایسا سلسلہ لامتناہی ہے جسکی کسی کو خبر نہین۔ موت ہو یا زندگی یا کوئی بھی واقعہ کیون نہ ہو وہ انجام نہین ہے بلکہ صرف ایک جدید آغاز۔ ساری دنیا ایک مسلسل آغاز ہے انجام اسکے ہاتھون مین ہے جو آغاز مطلق اور انجام مطلق دونون ہے یا دونون سے بے نیاز! اس لئے میرے نزدیک انجام کو غیر معمولی اہمیت دینا اور وہ بھی ایسا انجام جو صرف چند روزہ ہو غیر ضروری اور غیر دانشمندانہ ہے لیکن فلسفہ اور آلہیات کی پیچیدگیون سے طبیعت اکثر سکون و تسکین نہین حاصل کرتی اس لئے اس مسئلہ پر صرف دنیاوی نقطہ نظر سے بھی غور فرمایئے۔ مین قسمت کا قائل ہون اور یہان مین قسمت کے آلہیاتی یا مذہبی مفہوم سے نہین بلکہ معنوی مفہوم سے بحث کرنا چاہتا ہون۔ میرے نزدیک قسمت نام ہے صرف "حصہ" یا "تقسیم" کا یعنی ہر شخص کو دنیا کی نعمتین اور دنیا کی محرومیان تقسیم کردیگئی ہین۔ مساوی اور عدم مساوی کا سوال نہین ہے۔ کسی شخص کو تندرستی، کسی کو دولت و قناعت، کسی کو ہمت و حیا، کسی کو زن و فرزند، کسی کو علم و فضل، کسی کو قبول عام ارزانی کیا گیا ہے۔ اسیطور پر محرومیان اور نامرادیان بھی حصہ مین آئی ہین، عام طور سے ہمکو جو

جو نعمت حاصل ہوئی ہے اور کوئی شخص ایسا نہین ہے جسکو کوئی نعمت حاصل نہ ہوئی ہو اسکو بالعموم ہم نظر انداز کر دیا کرتے ہین اور دوسرون کو جو نعمت حاصل ہے اسکو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہین حالانکہ دنیا کی مجموعی نعمتین مجموعی طور پر کسی کو کبھی نصیب نہین ہوئین اور نہ ہونگی اور بالفرض نصیب بھی ہوئین تب بھی میرا خیال ہے آپ اُسکو مطمئن نہ پائین گے۔ زندگی کا مقصد بھی یہی ہے کہ فطرت کی طرف سے انسان کو جو نعمت عطا کی گئی ہو اُسپر قناعت کرے۔ اِن سے جایز طور پر زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائے اور دوسرون کو فائدہ پہونچائے۔

اب مجھے دیکھیے۔ آپ میرے سوانح زندگی سے واقف ہین خدانے علم کی دولت عطا فرمائی۔ کھانے پینے سے خوش رکھا۔ جان نثار احباب واعزہ دئے، شہرت وقبول عام ارزانی فرمایا، مجموعی اور انفرادی طور پر یہ نعمتین ایسی ہین جنکے وجود وحصول پر ہر سمجھدار انسان کو شکر گذار ہونا چاہیے۔ میرے استاد محترم مولنا حاجی سید سلیمان اشرف صاحب جب پچھلے سال حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو کتنون نے آپ سے فرمائش کی تھی کہ خانہ کعبہ مین پہونچکر انکے مختلف امور دینی یا دنیاوی کے بارہ مین دعا فرمائیگا۔ مولنا محترم کے پاس مین نے ایک عریضہ بھیجا تھا اور یہ استدعا کی تھی کہ حریم قدس مین میری طرف سے یہ عرض کر دیا جائے کہ اے خدا تیرا ایک ناچیز بندہ تیری دی ہوئی نعمتون کا شکر گذار ہے۔ وہ مانگتا نہین، اس کا صرف سجدۂ شکر قبول فرمایا جائے۔ آپ یقین فرمائین مین اپنی زندگی کو کامیاب سمجھتا ہون، اب اگر پیام رحلت آگیا ہے تو گھبرانا بے معنی ہے۔ ابتک خدانے ہر خجالت ومصیبت سے محفوظ رکھا ہے، معلوم نہین آیندہ کیا پیش آئے، اِسوقت تک میری زندگی جیسی کامیاب اور مسرور گذری ہے وہ غالبًا میرے بعد میرے احباب اعزہ اور ملک وملت کے لئے ایک سرمایہ نیک ہوگی اس کے علاوہ اور کیا چاہئے، دوسری طرف اگر اس مرض کو میری زندگی کا درد ناک پہلو تصور فرمائے تو اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھئے کہ مین اس مرض کی شدت اور سختی کے باوجود ہمیشہ غیر معمولی طور پر شگفتہ اور بشاش رہا ہون اور یہی نہین بلکہ جو لوگ مجھ سے وابستہ رہے ہین انکو بھی شگفتہ اور بشاش رکھ سکا ہون۔ پھر اس مرض کو عذاب جان یا میری زندگی کی محرومی کیون تصور فرمائے اچھا اِن سب کو جانے دیجیے۔ وہ لوگ جو مرض اور ازالہ مرض کے بارہ مین ماہرین فن کا درجہ رکھتے ہین انکی راے ہے کہ اپریشن ہوجانا چاہیے۔ اسلیے جہانتک دنیاوی تدابیر میری جان بچانے اور مرض کے دفعیہ کے لئے کیجا سکتی ہین وہ کیجائین گی۔ بہت ممکن ہے جانبر ہوجاؤن، پھر اسوقت کی خوشی اور شادمانی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

قصہ مختصر، ہم یوروپین وارڈ کے ایک کمرہ مین پہونچ گئے۔

وہ مرا پہلے پہل داخل زندان ہونا!

نہایت پاکیزہ کمرہ، پاکیزہ سامان، پاکیزہ بستر، پاکیزہ نرسین اور ان سب سے زیادہ پاکیزہ سامان قطع برید اور مرہم پٹی جو نہایت کثرت، نہایت اہتمام اور انتہائی خوش سلیقگی کے ساتھ ایک میز پر ہمارے پذیرائی کے لئے موجود تھا۔ غسلخانہ

انگریزی طرز کا بنا ہوا، نہایت صاف ستھرا۔ کھانے کے لئے مرغ، دودھ، مکھن، توس، انڈے، غرض ہر قسم کے حوائج ضروری یا غیر ضروری سامان، کافی اور کافی سے زیادہ۔ لیکن ابھی بعض اور سہولتون کی تلاش و تحقیق کی طرف طبیعت مائل ہونے والی ہی تھی کہ جیڑ پھاڑ کے سامان دیکھکر اوسان خطا ہوگئے۔ اتنے مین ایک سیم فام، سفید پوش، شیرین کام لیکن تلخ کار نرس داخل ہوئی اور قبل اس کے کہ مجھ سے کوئی اضطراری فعل سرزد ہوا سنے منہ مین تھرمامیٹر ڈالدیا، نبض ہاتھ مین لے لی اور تنفس کا معاینہ شروع کردیا۔ تھوڑی دیر مین تھرمامیٹر نکالکر کہا ملیریا کے مریض ہو مین نے کہا نہین بعض اعضاء رئیسہ کا، فرمایا حرارت ہے! مین نے کہا مجھے تو محسوس نہین ہوتی شاید اس فضا یا میرے بودے پن کا اثر ہو، غرضکہ پھر تھرمامیٹر لگایا گیا اب مین بھی حواس مین آچکا تھا۔ چنانچہ حرارت اور بات دونون آئی گئی ہوئی۔

۳ بجے سے ۵ بجے تک ہر روز دن مین کئی کئی بار یہی مشغلہ رہتا۔ مڈیکل کالج مین جتنے طلبہ اور ڈاکٹر تھے ایکبار سب آکر مجھ عجوبۂ روزگار کو دیکھ جاتے، مرض کی واستان سناتے سناتے اور تلئین و عمل لیتے لیتے بدحواس ہو گیا۔ میرا خیال خیال ہے محض اس احتیاط کو مدنظر رکھکر کہ کوئی مریض کسی شاعرانہ حماقت کا مرتکب ہوکر اسپتال کے ڈسپلن مین مخل نہ ہو، ارباب میڈیکل کالج اس قسم کی بعض غیر شاعرانہ تدابیر اختیار کرتے رہتے ہین اور یہ تلئین و عمل اسی کا ایک شاخسانہ ہے، اپریشن سے ایک روز پہلے گروہ اور مضافات گردہ کا بپتسمہ ہوا، یعنی سب سے پہلے رسمًا حجامت بنائی گئی اس کے بعد مختلف اقسام کے عرق اور روغنیات کی مالش کی گئی اور پھر روئی اور گاز رکھکر عمامہ باندھ دیا گیا۔ یہی دستار فضیلت کل اپریشن تھیٹر مین اُچھالی جانے والی تھی۔ اپریشن کے قبل کے مراحل و مراسم خود اپریشن سے زیادہ ہراس آفرین ہوتے ہین اور یہ کوئی نئی بات نہین ہے مصیبت کی آمد کا تخیل (یا حالت منتظرہ) نمودار اور مصیبت سے زیادہ پریشان کن ہوتا ہے۔ چنانچہ جس دن اپریشن ہونیوالا تھا اسکی صبح ہر آنے والے نے بشارت دی کہ آج اپریشن ہوگا، ڈاکٹرون نے دلاسا دیا، ردن نے پوچھا ڈرتے تو نہین، بعض صاحبون نے کہا "شاباش" اور کسی نے صرف "افسوس" پر اکتفا کیا۔ اعزہ پریشان اور افسردہ تھے دوستون پر یاس طاری تھا۔ ڈاکٹر اور نرسین مستعد اور آمادہ کار نظر آتی تھین۔ مجھے نوٹس دیا گیا کہ دس منٹ کے اندر تیار ہوجاؤ۔ مین نے وضو کیا۔ دو رکعت نفل ادا کی اور دعا مانگی، خدایا جو کچھ تو کر رہا ہے وہ بلکل صحیح اور درست ہے۔ اب تک تو نے مجھپر جو احسان و کرم کیا ہے تو علیم ہے مین کتنا شکر گذار ہون۔ ایک تمنا یہ البتہ ہے کہ اگر یہ آخری وقت ہے تو تیری یاد کو مجھ سے محبت کرنے والون کے لئے آسان کردے، زندگی مین مین نے تجھے اکثر بھلایا ہے اس کے گواہ بہت ملین گے لیکن اس وقت صرف تجھے یاد کر رہا ہون اس کا گواہ صرف تو ہے، اس کے بعد ایک ڈاکٹر نے آکر مارفیا کا انجکشن دیا اور دو خدمتگار دن نے بیمار دنکی کرسی پر بٹھاکر اپریشن تھیٹر ہونچا دیا۔

کرسی سے اوتر کر اپریشن تھیٹر مین داخل ہوا۔ جو میز بتائی گئی اوس پر لیٹ گیا، سرہانے سے ایک ڈاکٹر نے کلوروفارم دینا شروع کیا۔ مین نے سوچا دیکھون کلوروفارم کا اثر کسطورپر ہوتا ہے اس لئے یہ ارادہ کرلیا کہ بے ہوش

ہونے مین عجلت سے کام نہ لون بلکہ کلوروفارم کے اثر کی مدافعت کرون اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ۳-۴ منٹ تک کلوروفارم دیا گیا اور دماغ پر کچھ اثر نہین ہوا البتہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز حلق مین رہ رہ کر اٹکتی ہے اور سوزش پیدا کرتی ہے اس لئے مین نے دو دفعہ سر کو ایک طرف جھٹک بھی دیا۔ لیکن پھر مین نے خیال کیا کہ یہ تجربہ کچھ پُرلطف یا دلچسپ نہین ہے اور مجھے کلوروفارم کا اثر قبول کر لینا چاہیے چنانچہ مین نے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا اور ایک ہی سکنڈ مین یہ معلوم ہوا گویا دماغ دُھنی ہوئی روئی کے مانند تھا اور اس مین آگ لگا دی گئی پھر مجھے خبر نہین کیا ہوا۔

آنکھ کھلی تو مین نے اپنے آپ کو کمرے مین پایا۔ تکیون کے سہارے تقریباً ۳۰ درجہ کے زاویہ پر لٹا دیا گیا تھا۔ سر پر سروبانی مین تر کیا ہوا تولیہ لپیٹا ہوا تھا نہ اپریشن کی کوئی تکلیف تھی اور نہ کلوروفارم کا کوئی مخصوص اثر۔ مین نے دو اسپتیل نرسین بھی رکھ لی تھین جن سے دریافت کیا۔ اپریشن کیسا ہوا۔ جواب ملا نہایت کامیاب اور خاموش ہو جاؤ۔ مجھ پر بھی کچھ تکان سی غالب تھی تھوڑی دیر مین غافل ہو گیا یا سو گیا۔ پھر مین آنکھ کھلی تو اپنے چھوٹے بھائی کو جنکو ہمہ وقت ساتھ رکھنے کی پہلے سے اجازت لے لی گئی تھی پٹی سے لگا ہوا بیٹھا پایا۔ کچھ دیر تک اپریشن کا حال پوچھتا رہا۔ پیاس غالب تھی۔ چند قاشین سنترہ کی کھائین اور پھر سو رہا۔ رات ہوئی اور تکلیف مین اضافہ ہوا۔ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے گردہ کے مضافات کی رگین آتش سیال بن گئی ہین اور درد گردہ عود کر آیا ہے، یہ تکلیف ناقابل برداشت تھی۔ یہانتک کہ ایک ڈاکٹر اور نرس نے آکر مورفیا کا انجکشن دیدیا اور پھر صبح تک غافل رہا۔ یہ حالت صرف شب مین تین چار دن تک رہی اور دوروز مارفیا کا انجکشن لیتا رہا لیکن ڈاکٹر نے بتایا کہ سونے کے لئے منوم یا منشی چیزون کا عادی ہونا مضر ہے۔ اس لئے اسکی کوشش کرو کہ نیند خود بخود آجایا کرے۔ چنانچہ اس کے بعد پھر نیند آنے کے لئے نہ کوئی انجکشن لیا گیا اور نہ کوئی اور دوا استعمال کی گئی۔ دو تین راتین نہایت تکلف سے گذرین۔ مین نے اپنی تکالیف کا سبب پوچھا تو ڈاکٹرون نے جواب دیا یہ سب متعلقہ متاذی یا متاثر ہونے والے اعصاب کا کرشمہ ہے چونکہ گردہ کا اپریشن ہوا ہے اس لئے متعلق جتنے اعصاب ہین ان مین اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ یہ کیفیت محض عارضی ہے کچھ عرصہ مین خود بخود زائل ہو جائے گی۔ باوجود اسکے تین چار دن تک مین نے آہ و بکا اور اظہار مایوسی اور درماندگی مین کچھ ایسی بدمزاقی کا بھی ثبوت دیا کہ تیماردار پریشان ہو گئے اور نرسون و ڈاکٹرون نے کبھی کبھی کسیقدر درشت لہجہ مین میری خبر بھی لی۔ ایکدن صبح ڈاکٹر صدیقی اور ڈاکٹر ظریف صاحبان نے پوچھا کہ رات مین آخر مین اسدرجہ تکلیف دہ کیون ہو جاتا ہون۔ مین نے کہا بات یہ ہے کہ آپ لوگون نے گردہ کو تو بلکل "دو آنجہانی" کر دیا اب ماتم گسار اعصاب کے حلقہ سے انکے دیرینہ رفیق کار کا "شور ماتم" اٹھتا ہے تو آخر شریک ماتم ہونے والا بھی کوئی ہو۔ یہ فرض مجھے ادا کرنا پڑتا ہے۔ چار پانچ دن کے بعد ہر تکلیف مین تخفیف شروع ہو گئی غالباً ساتوین دن ٹانکے علحدہ کر دیے گئے اور تقریباً کوئی تکلیف دہ شکایت باقی نہین رہی۔ مین خود اٹھنے بیٹھنے لگا۔

تھوڑا بہت کمرہ مین ٹہلنے بھی لگا اور ۔ خوب کھانے پینے لگا ۔

اب ہمکو اجازت دیدی گئی تھی کہ "کھاؤ پیو اور ٹہلو"، چنانچہ سب سے پہلے مین نے خربزے کی فرمایش کی ۔ موسم گرما اور خربزے دونون شباب پر تھے خربزے نہایت لطف سے کھائے گئے ۔ دوستون اور اعزہ نے کھانے پینے کی چیزین خوب خوب بھیجین اور مین نے بھی انتہائی انتقامی جذبہ کے ساتھ انکی پذیرائی کی بیماری اور پرہیز میرے لئے ہمیشہ لازم ملزوم رہے، لیکن کوئی سلیم المذاق انسان ہندوستانی علاج و پرہیز سے عرصہ تک ہم آہنگ نہین رہ سکتا ۔ اسلئے تھوڑی سی غور و فکر کے بعد مین ہمیشہ دوا اور پرہیز مین ایک حد اوسط یا مفاہمہ قائم کر لیا کرتا تھا ۔ مثلاً ایک حکیم صاحب نے بتایا کہ پیٹھے کو کچل کر گردہ پر ضماد کیا جائے اور اس کا عرق پے لیا جائے ۔ اس سے مین نے یہ نتیجہ نکالا اور اسپر کاربند بھی رہا کہ پیٹھے کی مٹھائی براہ راست کھائی جا سکتی ہے ۔ ایکدن مین نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ آپلوگ لکھنؤ مین رہتے ہین اور ہر قسم کے امراض اور ادویات پر غور کیا کرتے ہین ۔ کبھی اس سلسلہ مین لکھنؤ کا خربزہ بھی آپ کے ذہن مین آیا ۔ آپ جانتے ہین آجکل ہر قسم کے علاج دنیا مین رائج ہین ۔ کوئی پانی سے علاج کرتا ہے، کوئی دودھ سے اکوئی آفتاب کی شعاعون سے کوئی نمک سے کوئی فاقہ سے ۔ کیا آپ ہین خدا کا کوئی بندہ ایسا نہین پیدا ہوا جو امراض کا نہ سہی مریضون کا علاج، داخلی اور خارجی ہر قسم کے خربزون سے کرتا ۔ کھانا، پینا، سیکنا، باندھنا سب کچھ خربزون سے کیا جاتا مثلاً ضماد، تکمید و تدہین علیگڈھ کے خربزون سے ہوتی، اور کھانے پینے مین لکھنؤ، جونپور یا ٹونک کے خربزے استعمال مین آتے!

میرے نزدیک ہسپتال سے زیادہ تکلیف دہ کوئی مقام نہین ہوتا ۔ اس اعتبار سے نہین کہ وہان انسان کو رہنے سہنے کی کوئی تکلیف ہوتی ہے بلکہ محض اس بنا پر کہ یہان ہر ہر قدم پر ہر سمت اور ساری فضا مین سوا افسردگی، یاس، نالہ و شیون کے نہ کچھ نظر آتا ہے نہ کچھ اور محسوس ہوتا ہے درماندہ مریض اور حزین تیمارداروں کے تکلیف دہ منظر کو تندرست ڈاکٹر اور غالباً تندرست تر نرسون کی مستعدی اور کیک خرامی اور زیادہ وحشت یا افسردہ کُن بنا تی ہے ۔ صفائی اور ستھراپن میرے نزدیک بہترین چیزین ہین ۔ لیکن ہسپتال اور جیل خانہ کی صفائی اور ستھراپن میرے لئے اکثر وحشت انگیز ہوتا ہے مفصلات کے ہسپتال تو یون بھی کچھ معمولی اور ناصاف ہوتے ہین ۔ وہان مرض اور مریض کا احساس زیادہ قوی یا موثر نہین ہوتا لیکن لکھنؤ میڈیکل کالج جسکی عمارت اور ساز سامان کو دیکھکر زیادہ صحیح معنون مین لکھنؤ ہی کے ایک مشہور شاعر کا شعر،

یہ کس رشک مسیحا کا مکان ہے زمین جسکی چہارم آسمان ہے

بے اختیار یاد آجاتا ہے ۔ میرے نظریہ کی ایک بیّن مثال ہے ۔ ہر شخص پر نفسی نفسی کا عالم طاری ہوتا ہے کہین آہ وزاری ہے کہین نالہ و شیون اور کہین پر محض ایک گورستانی سکوت! ۔

لیکن اس کا دوسرا پہلو اتنا ہی تابناک اور قابل قدر بھی ہے۔ عرفی کو آستانہ محبوب سے۔

ہم شوق آمدہ بودم ہم حرمان رفتم

کہتے ہوے پلٹنا پڑا تھا لیکن ہسپتال بالخصوص لکھنؤ میڈیکل کالج کی حیثیت بلکل مختلف ہے۔ یہان مایوس آتا ہے اور بالعموم شادمان واپس ہوتا ہے مشرقی شاعری یاد دنیائے محبت مین چونکہ شاعر کو یہ حالت وحیثیت کبھی نصیب نہین ہوئی کہ وہ دیار محبوب مین مایوسانہ داخل ہوتا اور کامران واپس ہوتا اس لئے کافی غور فکر کے بعد بھی مجھے کوئی شعر یا مصرعہ ایسا یاد نہ آیا جو عرفی کے مصرعہ کا جواب ہوتا۔

اس عمل جراحی کے بعد اکثر سوچتا ہون کہ موجودہ سائنس اور ایجادات نے فن جراحی کو کس حیرت انگیز درجہ تک بلند اور کامیاب بنا دیا ہے اور ایک کامیاب اور ماہر فن سرجن کو اپنی استعداد اور اپنے فن کی کامیابی کا کیسا یقین محکم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بھاٹیا صاحب لکھنؤ میڈیکل کالج کے چیف سرجن ہین۔ انھون نے مجھے دیکھا اور حال سنا۔ کچھ دیر تک سکوت مین رہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی انکو مرض کی تشخیص پر پورا عبور نہین ہوا ہے تھوڑی دیر کے بعد کہا اچھا کپڑے اتار دیجئے اور ایک کوچ کی طرف اشارہ کرکے کہا اسپر لیٹ جائیے۔ انکے تیور سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مرض کی تہہ تک پہونچ جانے کا عزم کرچکے ہین۔ کچھ دیر تک صرف نظری جایزہ لیتے رہے۔ اسکے بعد جو ہاتھ ڈالا ہے تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا مرض کو اپنے آہنی پنجہ مین گرفتار کرلیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر مین ایک مخصوص فاتحانہ لیکن دلنشین انداز تبسم کے ساتھ اپنا فیصلہ اس طور پر صادر کیا گویا تشخیص مرض ایک بہت معمولی سی بات تھی اور انکا غیر معمولی عارضی انہماک کچھ غیر ضروری سا تھا حکیم عبد المعید صاحب قبلہ جنکے خلوص، محبت اور ایثار وانسانیت کا مین اتنا ہی معترف ہون جتنا ایک شریف انسان کا شکر گذار قلب ہو سکتا ہے، ہمراہ تھے اس مرض کی نوعیت پر گفتگو فرمانے لگے۔ یہ مکالمہ کچھ فنی اور اصطلاحی حیثیت کا تھا جسکو مین پورے طور پر نہ سمجھ سکا۔ بالآخر یہ طے پایا کہ اپریشن کردیا جائے۔ مین نے دریافت کیا یہ آپریشن اندیشہ ناک ہوگا یا اُمید افزا، ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر فرمایا ہر اپریشن خواہ جسم انسانی مین سوئی ہی چبھونا کیون نہ ہو اندیشہ سے خالی نہین لیکن آپ مطمئن رہین کامیابی کی پوری توقع ہے۔ میرے نزدیک میری تشخیص مکمل ہے اور چونکہ مین دیر مین اس نتیجہ پر پہونچا ہون اس لئے اُس پر نظر ثانی کرنے کے لیے آمادہ نہین ہون۔ چنانچہ بعد مین اکس ریز فوٹو اور قارورہ وغیرہ کے کیمیائی تحلیل اور جراثیمی امتحان نے ڈاکٹر صاحب کی تشخیص کی پورے طور پر تصدیق کی۔

بہر حال اپریشن ہوگیا اور جتنی کلفتین تھین وہ بھی گردہ کے ساتھ لکھنؤ میڈیکل کالج کے عجائب خانہ مین منتقل کردیگئین۔ مجھے تعجب ہے جسم انسان کے اندر سے کسی حصہ ماؤف کو اس طور پر علٰحدہ کردینا کہ نظام جسمانی مین کوئی خلل نہ آئے بلکہ وہ ذریعۂ راحت بنجائے کتنا نازک، اہم، اور مشکل کام ہے جسے انسانی ذہن وفکر نے کسدرجہ آسان بنا دیا ہے۔ ۴۵ منٹ تک کلوروفارم کی ماتحت بیہوش رکھنا اور پانچ چھ انچ لمبا شگاف دیکر ایک گردہ کو حرف غلط کی طرح مٹا دینا اور پھر زخم کو ٹانکے دیکر مریض کو ہوش مین لانا اور ساری تکالیف سے آزاد کردینا کسدرجہ حیرت انگیز ہے۔

بعد مین معلوم ہوا کہ ڈاکٹر بھاٹیا صاحب کیلئے اس قسم کے اپریشن محض ایک تفریحی حیثیت رکھتے ہین۔ یہی نہین بلکہ یہان آنے پر معلوم ہوا کہ پسلیون کو تراشکر پھیپھڑے پر عمل جراحی کر دینا اور پچکاری کے ذریعہ سے پیپ اور مادہ فاسد کو نکالدینا بھی یہان ہوتا رہتا ہے۔ اور ڈاکٹر بھاٹیا صاحب کے نزدیک۔

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

کا مصداق ہے۔ بذات خود مین ڈاکٹر صاحب کے کمال فن کا اتنا ہی قائل ہون جتنا ملیریا کے علاج مین کونین کا یا عورتون کے ناقص العقل ہونے کا!

میری روزانہ دیکھ بھال کے انچارج ڈاکٹر صدیقی صاحب ام۔ بی۔ ایس تھے اور روزانہ کے ملنے والے ڈاکٹر ظریف صاحب (علیگ) ام۔ بی۔ بی۔ ایس۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب کے بارہ مین میرا خیال ہے کہ کسی وقت وہ ذہانت اور خود اعتمادی مین اپنے استاد ڈاکٹر بھاٹیا صاحب سے کم نہ ہونگے۔ لیکن ابھی اسمین اتنا ہی عرصہ لگے گا جتنا کہ۔ ایک شاعر کے نزدیک وہ "فتنہ" کو "قیامت" مین تبدیل ہونے کیلئے درکار ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صدیقی کو مین نے اپنے بے بنیاد اندیشہ ناکیون لیکن صحیح شکایات مرض سے کافی پریشان کیا۔ اور انھون میرے اس قسم کی حماقت رائیون کا مضحکہ بھی خوب اڑایا ہے۔ مین چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو وہ بیمار پڑ گئے اور ملیریا کے شکار ہوکر میرے ہمسایہ بنگئے۔ ڈاکٹر صدیقی کی تندرستی کچھ اسدرجہ "دہوڑی استر" واقع ہوئی ہے کہ انکو ۱۰۲ درجہ کا بخار تھا اور خبر نہ تھی کہ بخار ہے۔ کہنے لگے مین عمر بھر بخار مین مبتلا نہین ہوا۔ اس لئے مجھکو احساس ہی نہین کہ بخار کیا چیز ہے اور کسطرح محسوس کیا جاتا ہے۔ مجھے ان سے خاص طور پر دلچسپی و اُنس ہے اور اس کا سبب انکا شگفتہ مزاج، غیر معمولی طور پر محنتی اور ٹنیس کا شایق ہونا ہے۔

ایسے لوگون کو دیکھکر مجھے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ قضا و قدر کو مرض کی تقسیم مین زیادہ خوش مذاقی کا ثبوت دینا چاہیے ایک شگفتہ، آزاد اور وارستہ مزاج شخص کو صاحب فراش بنا دینا یقیناً بے معنی اور بد مزاقی ہے۔ ان لوگون کا کام مرض مین مبتلا ہونا نہین ہے۔ اس قسم کے لوگ تو صرف خوش رہنے اور خوش رکھنے کے لئے بنائے گئے ہین۔ ایک شخص جو زندگی اور معاشرت کے پابندیون سے آزاد ہے یعنی وہ جب چاہے کھائے پئے اور جب چاہے سو جائے، کام کرنے اور نہ کرنے مین کوئی چیز خلل انداز نہ ہوتی ہو۔ موقعہ پڑا تو وہ دھوپ اور لُو مین باہر گھوم رہا ہے اور جی چاہا تو تمام دن رات پڑا سو رہا ہے۔ کھانے پینے کو جو کچھ ملا کھا پی لیا نہ اسکی شکایت کہ کھانا برا تھا یا دیر ہضم تھا اور نہ اسکی پرواہ کہ بہت اچھا تھا۔ نہ لباس کا غم اور نہ اچھے دھوبی اور نہ درزی کی تلاش۔ کبھی اس عالم مین ہے کہ نوکر پانی لائے اور گلاس منہ کو لگا دے تو پانی پیا جائے اور کبھی ضرورت پیش آئے تو کوئین سے پانی کھینچ لانے مین بھی باک نہین۔ ایسے لوگون کو بیمار ڈالدینا۔ انکی اور مرض دونون کی توہین ہے اور یہ صرف "دہرن پر گھاس لادنے" کا مرادف ہے۔

بیمار ایسون کو ہونا چاہئیے جو ہر چیز کا ایک پروگرام رکھتے ہون - ہر چیز مین احتیاط کے پابند ہون - بدقت نہین ہے تو زندگی دشوار وقت سے سونا یا کھانا نہ ملا تو چین بجبین - نوکر موجود نہ ہوا تو عضو معطل - دھوبی اچھا نہ ملا تو مکدر - درزی نے کپڑے خراب تیار کئے تو جامہ سے باہر - کسی نے تعریف کردی تو پھولے نہ سمائے اور کسی نے برُا کہدیا تو شمشیر برہنہ، ڈرائنگ روم بھی ہے اور فرش فروش بھی، پنکھا بھی ہے اور حقہ بھی - اجابت کھُل کر آئے تو زندگی دلچسپ اور ایسا نہ ہوا تو زندگی اور زندگی کے ساری متعلقات بلا جان ایسے لوگ بیمار پڑین تو بیماری کا پورا احترام بھی ہو - صاف بستر، صاف تولیہ صاف میز پوش - کہین سوڈا واٹر کی بوتلین بھیگ رہی ہین اور کہین چینی کے ظروف مین آش جو اور شوربہ رکھا ہوا ہے، ایکطرف سنترے رکھے ہوے ہین دوسری طرف دوا کی شیشیان چنی ہوی ہین ایک جانب ،،کھسل پڑنے،، کے لیے ،،حاجتی،، لگی ہوی ہے! ایک شخص پنکھا جھل رہا ہے دوسرا مکھیان، ہانک رہا ہے، تیسرا ڈاکٹر یا حکیم کو بلانے جارہا ہے - چوتھا دروازہ پر بیٹھا اونگھ رہا ہے - کمرے مین سناٹا ہے اور تقریبًا ایک درجن دوست احباب اعزہ چارپائی کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے ہین، مریض نے کروٹ کا ارادہ کیا اور ان مین سے ایک نے اُچک کر گلے مین یا کمر کے نیچے ہاتھ دیدیا - مریض نے بات کرنے کے لیے ذرا مونہہ کھولا اور ان مین سے کسی نے آش جو سنبھالا اور کسی نے سنترہ کی قاب اور تیسرے نے اپنا کان مریض کے لبون سے لگا دیا - بقیہ نے ایکدوسرے کو آنکھ اور انگلی کے اشارہ سے دم بخود رہنے کی تاکید کی - غرضکہ یہ بیماری کے لطایف و ظرایف ہین - اور بیمار انہین لوگون کو ہونا چاہئیے جو بیماری کے رکھ رکھاؤ پر قدرت رکھتے ہون -

---

ڈاکٹر ظریف تو علیگڈھ کے گنہگارون مین سے ہین - انکے بارہ مین کیا کہنا - وہی خلوص، وہی آزادی، وہی بے تکلفی اور رواداری جو ایک علیگڈھ والے کو دوسرے علیگڈھ والے سے ہے - وہ جب کبھی آجاتے تھے تو پھر کیا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہین اور نہ مین مریض - وہی علیگڈھ ہے - وہی بیفکری ہے اور وہی فضا اور وقت، دلچسپی ہے اور خوش گپی - مجھے اُن لوگون پر ترس آتا ہے جو علیگڈھ مین طالب علمانہ زندگی نہین بسر کرسکے ہین - علیگڈھ کے ،،واقف کار،، اور ،،ہمدرد،، بنکر اوس پر اعتراض کرتے ہین - اِن سے کوئی پوچھے کہ تم علیگڈھ کے مسترتون سے کیا واقف تمکو کیا معلوم اس نام مین کیا جاذبیت ہے - اور یہ نام کیسا محبوب ہے! لبعض کہین کے دیکھتے نہین آج خود علیگڈھ والے علیگڈھ کو برُا بھلا کہتے ہین، مین کہتا ہون یہ تمھاری کم فہمی اور سطحیت ہے جو ایسا کہتے ہو کوئی علیگڈھ والا علیگڈھ کو برُا نہین کہتا کیونکہ وہ ایسا کر نہین سکتا - وہ علیگڈھ والونکو برُا کہتا ہوگا اُس کے اور اسباب ہین جنپر یہان اظہار خیال کی ضرورت نہین اور کالج سے کون منحرف ہوسکتا ہے - کسی علیگڈہ والے کے سامنے علیگڈہ کا نام لیجئے پھر دیکھئے وہ چشم زدن مین کیا سے کیا ہوجاتا ہے - وہ اپنے مصائب اور مناسب سب کچھ بھول جائے گا - اور تھوڑی دیر کیلئے اس کا تصور اسکو زمان و مکان سے آزاد کرکے اُسے مادر کالج کی آغوش مین پہونچادیگا - وہی کمرے وہی ڈائننگ ہال

وہی مسجد، وہی یونین، وہی کچی بارک، وہی کرکیٹ فیلڈ، وہی شرارتین، وہی صحبتین، وہی بیفکری، سب کچھ وہی جس سے وہ اب دور ہے۔

آنکھین اسکو ڈھونڈھتی ہین دل اس کا گرویدہ ہے

مین خود جب علی گڈھ سے باہر گیا اور کسی علی گڈھ والے سے ملاقات ہوئی تو کچھ ایسا معلوم ہونے لگا گویا خود کالج مین ہون۔ اور اب مجھے اجنبی یا غریب الدیار محسوس کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ایک علیگڈھ والا دوسرے علی گڈھ والے سے ملتا ہے تو پھر بالعموم اسکو تکلف رکھ رکھاؤ یا تصنع کی ضرورت نہین محسوس ہوتی ہی نہین بلکہ ان چیزون سے نفرت ہو جاتی ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے گویا ہم دونون ایکدوسرے کے پشتہا پشت سے واقف ہین۔ اس کا یہ مطلب نہین کہ ایکدوسرے کی کمزوری یا اس کے خاندانی حالت سے واقف ہوتے ہین بلکہ علی گڈھ بجائے خود ایک "قومیت" ایک "خاندان" معلوم ہونے لگتا ہے اگر ایک وایسرائے ہے اور دوسرا محض ایک کلرک لیکن دونون "پروردہ علی گڈھ" ہین تو اس طور پر ملین گے یا ملنے کا جی چاہیگا گویا دونون ایک سطح پر ہین وہی سطح جو علی گڈھ نے قائم کی ہے!

بات مین بات نکلتی آتی ہے مین ایک وقت سفر کر رہا تھا، انبالہ کے اسٹیشن پر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کوئی بزرگ نوٹ اور روپیون کا بٹوا میرے تکیہ کے نیچے سے نکالکر فرار ہو گئے ہین۔ مجھے جلد سے جلد منزل مقصود پر پہونچنا تھا اب ایک ایسے اجنبی مقام پر یہ حادثہ پیش آیا کہ تھوڑی دیر کے لیئے مین پریشان ہو گیا۔ مین کالکا پر اتنی دیر کے لئے بھی نہین ٹھہر سکتا تھا کہ روپیون کے لئے علی گڈھ تار دیتا۔ معاً خیال آیا دیکھون کوئی علی گڈھ والا تو سفر نہین کر رہا ہے۔ پلیٹ فارم پر اتر کر دو ہی چار قدم گیا ہونگا کہ ایک صاحب میرے ہی طرف آتے نظر آئے۔ معمولی علیک سلیک کے بعد مین نے دریافت کیا آپ علی گڈھ سے آ رہے ہین۔ فرمایا۔ ہان، مین نے کہا جا کہان رہے ہین، کہنے لگے شملہ بھائی کے پاس۔ مین نے پوچھا مجھے پہچانتے ہین کہا۔ جی ہان۔ مین نے کہا میری نقدی کوئی صاحب لے کر چلدیئے۔ آپ کے پاس جتنے روپے ہون مجھے دیدیجئے۔ آپکو علیگڈھ سے روپیہ پہونچ جائے گا۔ چنانچہ انھون نے کافی روپے دیدئے۔ مین نے علیگڈھ خط لکھدیا اور روپیہ انکے پاس شملہ پہونچ گئے، اور ساری تشویش لمحہ بھر مین ختم ہو گئی۔

"داخل ہسپتال" مریضون کی دیکھ بھال تقریباً تمام نرسون (nurses) سسٹرز (Sisters) اور میٹرن (and Head) کے سپرد ہے اور یہ اپنے فرایض کو اس خوبی، تندہی اور ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتی ہین کہ بیان سے باہر، انکی جفاکشی اور احساس ذمہ داری، نفاست، اور خوش سلیقگی کا اثر مجھپر نہایت اچھا اور گہرا پڑا ہے انکو سخت سے سخت اور پست سے پست کام کرنے مین کبھی عار نہین ہوا۔ اور مریض کی صحت اور عافیت کے مقابلہ مین یہ خود اپنی صحت اور عافیت کا

خیال نہین کرتین - اِن مین انگریز بھی ہین - انگلو انڈین بھی اور ہندوستانی عیسائی بھی - لیکن جہانتک میرا خیال ہے انین "مدھم روش" یہی تیسرے درجہ کی ہین!-

اُنکے اوقات فرائض ۸ بجے دن سے ۸ بجے رات اور ۸ بجے رات سے ۸ بجے دن ہین - اس دوران مین مشکل سے کھانے پینے کے لئے یہ ایک آدھ گھنٹہ کے لیے ساکت ہوتی ہین - ورنہ مسلسل مصروف و منہمک رہین گی - میرا اندازتو یہ ہے کہ ۱۲ گھنٹہ مین یہ کم سے کم پانچ چھ میل کی پیادہ مسافت توضرورطے کرتی ہین - مین یہان پر ایک خاص نرس کا تذکرہ ضرور کرونگا - اسکی ڈیوٹی رات کی ہوا کرتی تھی - مجھے نہین معلوم دوا دینے ٹمپریچر لینے اور عام دیکھ بھال کے جو اوقات ہین اس مین اس نے ایک منٹ کے تفاوت سے بھی کام لیا ہو، ہمیشہ ہرکام کو ٹھیک وقت سے ادا کرنا اس کا کام تھا - اپریشن کے بعد کی چار پانچ راتین مجھپر سخت گزرین - یہ ہمیشہ آجایا کرتی تھی - کبھی دوا لاتی، کبھی مارفیا کا انجکشن دیتی اور کبھی یون بھی خیریت پوچھ جاتی - ایک ہفتہ بعد جب مجھے کوئی خاص تکلیف باقی نہین رہی تھی تو یہ حسب معمول ۲ بجے رات کو ٹمپریچر لینے آئی، مین جاگ رہا تھا، پوچھا کیسے ہو! مین نے کہا یونتو اچھا ہون لیکن پڑے پڑے کچھ بیوقوف سا محسوس کرنے لگا ہون - کہنے لگی سو جاؤ یہ احساس جاتا رہیگا، مین نے کہا اس مین یہ خرابی ہے کہ پھر دوسرے احمق سمجھنے لگین گے - کہنے لگی یہ حالت پہلے سے بہرحال بہتر ہے - ایکدن مجھے برآمدہ مین ٹہلتا دیکھکر پوچھا کہو، تمھاری عجیب غریب احساس کا اب کیا عالم ہے - مین نے کہا کیا اس کا اندازہ تمکو ٹمپریچر سے نہین ہوا!!-

ہسپتال مین مریضون سے ملنے کے خاص اوقات ہین - مثلاً آج کل صرف پانچ سے سات بجے شام تک اسکے علاوہ کسی دوسرے وقت ملنا جلنا قطعًا ناممکن ہے لیکن ہم ہندوستانیون کو اس پابندی سے کیا سروکار - اُنکے نزدیک اونکے اوقات فرصت اس قسم کی پابندیون سے بے نیاز ہین - اس سلسلہ مین بعض دلچسپ واقعات بھی پیش آئے - لیکن انکا ضبط تحریر مین لانا غیر مناسب ہے، یہان ایک "مسز پنکھرسٹ" تھین جو ملنے ملانے کے بارہ مین ہسپتال کے قواعد کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھین - انکے تیور اور عتاب کو دیکھکر، عام طور پر غصہ، حقارت یا جھنجھلاہٹ محسوس کرنے کے بجائے انسان پر کچھ اس درجہ خجالت طاری ہوتی تھی کہ وہ بغیر زبان ہلائے ہسپتال سے باہر ہو جاتا تھا -

میرے ایک قدیم دوست، اسکول کے ساتھی لکھنؤ مین مل گئے، مین انکو شروع زمانہ طالب علمی ہی سے "بور" سمجھتا تھا جس کا اردو مفہوم کسی قدر "بلائے جان"، "عافیت سوز" یا "مخل عافیت" ہو سکتا ہے - پستہ قد، چیچک رو، سیاہ فام، سبک خرام، ذرا جھلّے، کافی بیوقوف لیکن اپنی دانست مین فرزانہ، عمر اپنی کبھی نہین بتاتے تھے - اور اس قسم کے تذکرہ سے بہت جلد غضبناک ہو جاتے تھے - انکو ہمیشہ اسکی حسرت رہی ہے کہ کوئی کردربتی حسینہ

اپر عاشق کیون نہ ہو گئی، ہر قسم کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔اور لوگون کے ہنسنے یا مذاق اُڑانے سے اِسے فوراً ترک بھی فرمادیتے تھے۔بہت جلد فریفتہ ہو جانیکے عادی تھے۔خود بخود کبھی نہین بلکہ دو چار آدمی اسبارہ مین اصرار کرین تو پھر انکا عاشق ہو جانا یقینی تھا۔یہ ہمیشہ ممنوعہ اوقات مین مرے پاس آتے اور نکالے نہ جاتے تو گھنٹون میرے مرض اور اپنے کارنامون پر اس طور سے گفتگو کرتے گویا مرض اور اپریشن کے اعتبار سے مین نرا احمق ہون اور اپنے کارنامون کے اعتبار سے یہ لارڈ ریڈنگ کے حریف! دنیا مین جتنے وبائی امراض یا آفات ارضی وسماوی ہو سکتے ہین،باری باری یہ سب کے مورد رہے۔اِنکے اثرات کچھ تو جسم پر نظر آتے ہین اور بقیہ دماغ پر مستولی ہین۔علی گڑہ کا خواب بھی نہین دیکھا ہے کہین علیگڈہ کے حالات اور وہانکے زندگی پر اس خود اعتمادی اور وثوق کے ساتھ گفتگو کرتے تھے گویا خود مین نے پندرہ سال تک علی گڑہ مین بھاڑ جھونکا ہے اور یہ کالج کے کھلنڈرے رہ چکے ہین یا کورٹ کے ممبر ہین۔مجھپر ہمیشہ مہربان رہے اور اس کا سبب محض یہ ہے کہ مین نے ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے سامنے ایک نیازمند کی حیثیت سے پیش کیا۔اور انکی ہر حماقت پر سر تسلیم خم کیا۔

ہمارے دوست کو نرسون سے خاص دلچسپی تھی۔اور اکثر انسے اُلجھنے یا سلجھنے کی کوشش فرماتے اور مجھے اس وقت خاص لطف آتا جب یہ گھبرا کر یا غلط انگریزی کی رو مین "یس سر" (Yes Sir) یا "نو سر" (No Sir) فرما جایا کرتے تھے۔یہ سب کچھ تھا لیکن "مسز بنکھم سٹ" سے یہ بھی گھبراتے تھے اور آتے ہی دریافت فرماتے "اور کیون جی کہین "اس" کے آنے کا تو وقت نہین ہے!"

ہمارے اِن دوست کو میرے کمرہ کا غسلخانہ بے حد پسند آگیا تھا۔اور سپید،صاف اور کشادہ ٹب کو پانی سے لبریز دیکھکر اکثر غور فرمایا کرتے تھے۔انکو معلوم نہ تھا کہ یہ غسل کرنیکا ٹب ہے، لیکن جب معلوم ہوا تو اس کا "بر جیہ ترکیب استعمال" دریافت فرمانے لگے مین نے کہا اس مین نہانے کی مشق ہونا چاہئے۔ورنہ اسمین داخل ہو کر نکلنا دشوار ہو جاتا ہے اور اکثر تو نادانستگی مین لوگون کی جانین تلف ہو گئی ہین۔کہنے لگے اور یہ ٹب کے سرہانے لمبی لمبی برنجی سلاخین کیسی ہین مین نے کہا اس مین ایک لمبی رسی باندہ لیتے ہین اور نہاتے وقت اس رسی کو مضبوط پکڑے رہتے ہین اور پھر نہایت اطمینان کے ساتھ کودتے، پھاندتے، اور ڈبکیان لگاتے رہتے ہین۔کہنے لگے بھئی آخر تم لوگ کیسے نہاتے ہو۔مین نے کہا دیکھتے نہین یہ ربڑ کا حلقہ رکھا ہوا ہے یہ "لایف بلٹ" ہے اسکو گلے مین ڈال لیتے ہین پھر ڈوبنے کا امکان نہین تھا۔اصل مین یہ ربڑ کا حلقہ جسکے اندر ہوا بھر دیجاتی ہے اُن مریضون کے بیٹھنے اور لیٹنے کے لیے ہوتا ہے جو عرصہ تک صاحب فراش رہے ہون یا جنکے عرصہ تک صاحب فراش رہنے کا امکان ہو تاکہ ادنکی بیٹھ یا کمر مجروح نہ ہونے پائے۔کہنے لگے بھئی کچھ ہو، اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہون۔

میں نے کہا شوق سے فرمائیے، کہنے لگے میں ایکدن اس غسلخانہ میں نہانا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا بسم اللہ، ابھی کہنے لگے برہنہ نہانا تو شرعًا ممنوع ہے، میں نے کہا اپنی قمیص تہمد کے طور پر باندھ لو، فرمایا واہ پھر پہنوں گا کیا، میں نے کہا میری قمیص بکس میں سے نکال لینا۔ بہت خوش ہوئے، فورًا قمیص سے ستر پوشی کی، ازاربند کا حلقہ گلے میں ڈالا اور غسلخانہ میں داخل ہو گئے کہنے لگے ارے میاں وہ رسی کہاں ہے۔ میں نے کہا رسی تو شاید جلد نہ مل سکے۔ میں تو اُس کا کام کمر بند سے لیا کرتا ہوں یہ سنکر بیحد مسرور ہوئے۔ میں نے کہا دیکھو کوئی مشکل پیش آئے تو تکلف نہ کرنا آواز دیدینا، میں آجاؤنگا۔ یہ سنکر باہر نکل آئے اور فرمایا کہ کیا جی تمنے مجکو طفل مکتب سمجھ لیا ہے۔ میں نے کہا بھئی ناراض مت ہو۔ میں نے یونہی کہدیا آخر حرج ہی کیا ہے۔ فرمانے لگے اتنے احتیاط کے پابند تھے تو اپریشن ہی کیوں کرایا، ابھی اور تقریر کرنے والے تھے کہ میں انکے حلیہ اور ارادہ دونوں سے گھبرایا۔ میں نے کہا اچھا نہانا ہے تو جلدی کرو ورنہ پانی گرم ہو جائے گا اور سارا لطف جاتا رہیگا۔ غسلخانہ کا کواڑ بند نہ کرنا شاید مجھکو کوئی ضرورت پیش آجائے۔ غرض یہ گنگناتے ہوئے غسلخانہ میں داخل ہوئے اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ غسلخانہ میں دو مگرمچھ ایکدوسرے سے اختلاط یا اختلاف کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں میں نے "مسز پنکھرسٹ" کے پاؤں کی چاپ سنی اور جھوٹ موٹ سوتا بنگیا۔ معزز خاتون داخل ہوئیں، مجھے سوتا اور غسلخانہ میں بے پناہ ہنگامہ سنکر سیدھے غسلخانہ کی جانب بڑھیں۔ چونکہ دروازہ اندر سے بند نہ تھا اور باہر سے معلوم بھی ہوتا تھا کہ بند نہیں ہے ہماری ہیروئن دروازہ کھولکر یکلخت غسلخانہ میں داخل ہو گئیں اور ساتھ ہی ساتھ دو چیخیں سنائی دیں!

اس دور ابتلا میں مجھپر جو گذر رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ احباب، اعزہ اور بزرگوں نے تشویش اور اضطراب کے جو لمحات گزارے وہ میرے لئے بیماری میں پریشان کُن تھے اور اب جبکہ صحتیاب ہو کر پھر اُنکی صحبت سے لطف اندوز ہونے اور اُنکے دامن عافیت میں پناہ گزین ہونے جا رہا ہوں میرے لئے انتہائی باعث تشکر و مسرت ہیں۔ میرا ایمان ہے کہ اس بارہ میں میں غیر معمولی طور پر خوش نصیب ہوں۔ دعا ہے کہ انکو میرے لئے آیندہ پھر کبھی اتنا پریشان اور مضطرب نہ ہونا پڑے اور نہ کوئی اب موقع آئے کہ میں انکے لئے پریشان اور مضطرب ہوں۔ آمین

خدا حافظ۔

(رشید احمد صدیقی)

علم فراست الید | اگر آپنے اب تک نہیں ملاحظہ کی تو اب طلب فرمائیے۔ قیمت علاوہ محصول (عہ)
(مینجر نگار)

باب المراسلۃ والمناظرۃ

عبادت کی معنوی وصوری حیثیت

گزشتہ ماہ کے رسالہ مین بہ سلسلۂ ملاحظات مین نے عرض کیا تھا کہ اس مہینے کی اشاعت مین مدیر مُبصر کے اُس اعتراض کا جواب پیش کرونگا، جو مسئلۂ عبادت کے متعلق انھون نے مجھ پر کیا ہے۔ ہر چند بہ حالت موجودہ جبکہ بعض نہایت عزیز ہستیان بستر درد وعلالت "پر پڑی کراہ رہی ہین میرے لئے ایک لفظ لکھنا بھی دشوار ہے، لیکن اس خیال سے کہ ناظرینِ نگار، اس مہینے ایفاءِ وعدہ کے منتظر ہونگے، مختصراً اپنے خیالات پیش کرتا ہون۔ ہر چند یہ بحث بہت طویل وبسیط گفتگو کی محتاج ہے، لیکن افسوس ہے کہ پراگندگی حواس کی وجہ سے حد درجہ ایجاز واختصار سے کام لے رہا ہون۔

مئی کے باب لاستفسار مین جو کچھ مینے مذہب کے متعلق لکھا تھا اسپر جناب ناطق نے جو اعتراضات کئے ہین ان مین سے صرف دو جواب طلب ہین (۱) اکرمکم عند اللہ اتقاکم مخصوص مسلمانون کے لئے ہے اور انھین کو خطاب کیا گیا اس لئے دائرۂ اسلام "سے خارج ہونے والے اس تعریف (definition) مین نہین آتے۔ (۲) مین نے لکھا تھا کہ جہان جہان کلام مجید مین عبادات کا ذکر ہے وہین ان کی غرض وغایت بھی بتادی ہے۔ اسپر جناب ناطق نے چند آیات کلام مجید سے پیش کرکے فرمایا ہے کہ ان مین عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کوئی غرض وغایت نہین بتائی گئی۔

امر اوّل کے متعلق باوجود اس اعتراف کے کہ آیت مین مسلمانون سے خطاب کیا گیا ہے اصول قرآن کے صرف خاص نکتہ کے اظہار پر کفایت کرونگا کہ تمام احکام اخلاقی خواہ انکا مخاطب کوئی ہو، ہمیشہ عام ہوا کرتے ہین اور انکا دائرہ تمام عامۃ الناس کیلئے وسیع ہوا کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ کلام مجید صرف مسلمانون کیلئے نازل ہوا ہے اور اس مین غیر مسلمانون کے لئے کوئی ہدایت موجود نہین ہے اگر محض کریم الاخلاق ہونا کوئی فعل محمود ہے تو وہ ہر جگہ اور ہر وقت ویسا ہی ہے۔ اور کوئی وجہ نہین کہ ناطق صاحب چونکہ وہ مسلمان ہین) اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے متقی کہلائین اور گنگا دھر کے مکارم صفات (غیر مسلم ہونے کے لحاظ سے، بالکل بے معنی چیز قرار دیئے جائین۔

چونکہ اخلاق حسنہ کا تعلق بالکل نظام تمدن سے ہے اسلئے ہر وہ شخص جس کے اخلاق بلند ہین سلسلۂ تمدن "کا ایک صالح فرد کہلائے گا اور اس غایت کے لحاظ سے اس کی تعریف کیجائے گی خواہ وہ کسی ملک وملت کا ہو۔ چنانچہ رسول اللہ کا بعض غیر مسلم اکابر واعاظم کی تعریف کرنا اسی بنا پر تھا۔

امر دوم کے متعلق جناب ناطق کا اعتراض صرف اس عقیدہ کی بنا پر ہے کہ وہ عبادت کے معنی صرف روزہ نماز وغیرہ کے لیتے ہین، حالانکہ عبادت سے جو چیز مراد ہے وہ اس سے بہت بلند ہے اور کلام مجید مین کسی ایک جگہ بھی نماز کے مخصوص

ارکان کا ذکر نہ کرنا اسی بنا پر ہے کہ وہان عبادت سے مقصود کوئی خاص طریقۂ نیایش نہین تھا۔

کلام مجید مین چار لفظ یا ان کے مشتقات ایسے ہین جن سے بندگی کا مفہوم کھلے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ چار لفظ "عبادت، صلوٰۃ، رکوع و سجود" ہین۔ لیکن مین یہ ماننے کے لئے طیار نہین کہ ان مین سے کوئی لفظ ہماری موجودہ نماز کے لئے کلام مجید مین استعمال ہوا ہے۔

(۱) لفظ صلوٰۃ، عربی زبان کا لفظ نہین ہے بلکہ وہ ارمی زبان سے لیا گیا ہے اور اس امر کا ثبوت کہ اس سے مراد موجودہ ہیئت نماز نہین ہے خود قرآن سے دو طرح ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ غیر مسلم لوگون کے طریقۂ عبادت کو بھی جو نماز سے بالکل علیحدہ چیز تھی لفظ صلات سے تعبیر کیا گیا ہے ملاحظہ ہو سورۂ انفال کی چھبیسوین (۲۶) آیت:- وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاءً و تصدیۃ - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر طریقۂ عبادت کو خواہ وہ نماز کی صورت مین ہون یا ناقوس و گھنٹہ کی صورت مین صلات کہہ سکتے ہین۔

دوسرا ثبوت اس امر کا کہ صلوٰۃ کے معنی نماز کے نہین بلکہ خیر و برکت اور دعا کے معنی مین بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، ذیل کی آیتون سے ہوتا ہے:-

(۱) ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی - یہان لفظ صلات کی نسبت خدا اور ملائکہ کے ساتھ کیگئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ میان اور ان کے فرشتون نے کبھی نماز نہین پڑھی۔

(۲) یا ایھا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما - یہان صلوٰۃ کے معنی کھلے طور پر دعا اور طلب خیر و برکت کے ہین۔

تیسرا ثبوت اس امر کا کہ صلوٰۃ سے مقصود مخصوص حرکات نہین ہین، یہ بھی ہے کہ صبح کی عبادت کو سورۂ بنی اسرائیل مین۔ قرآن الفجر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے! اسی طرح سورۂ طٰہٰ مین صلواۃ کو صرف تسبیح و تہلیل بتایا ہے:-

وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا ومن اناء اللیل واطراف النھار لعلک ترضی

دوسرا لفظ عبادت ہے جس کے مشتقات کی چند آیتین جناب ناطق نے نقل کی ہین اور اپنے پندار مین اس کا مفہوم صرف نماز قرار دیا ہے حالانکہ جب لفظ صلوٰۃ، موجودہ نماز کے لئے کلام مجید مین استعمال نہین ہوا تو لفظ عبادت اور اس کے مشتقات نماز کے معنی مین کیا استعمال ہو سکتے ہین۔ کلام مجید مین ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون - اگر لیعبدون سے مراد نماز پڑھنا ہو تو معنے یہ ہونگے کہ انس جنس صرف اسلئے پیدا کئے گئے ہین کہ ہر وقت نمازین پڑھتے رہین یا نماز کی طرح کوئی نہ کوئی عبادت کرتے رہین، حالانکہ حقیقت یہ نہین ہے اور عبادت یا نماز کی تقسیم اوقات خود اس کو ظاہر کرتی ہے کہ ہر وقت عبادت کرتے رہنا مقصود نہین ہے۔ اب رہگئے الفاظ رکوع و سجود کے جن سے بظاہر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نماز کے رکوع

و سجود مراد ہین - سو خود کلام مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ رکوع کے معنے گھٹنون پر ہات رکھکر جُھک جانے کے ہین اور نہ سجود کا مفہوم یہ ہے کہ سر کو زمین پر ٹیک دیا جائے -

سورۂ رحمان مین ارشاد ہوتا ہے :- والنجم والشجر یسجدان حالانکہ ان مین سے کوئی اپنا ماتھا زمین پر نہین رگڑتے - اسی طرح سورۂ نحل مین :- وللہ یسجد ما فی السموات وما فی الارض من دابۃ درآنحالیکہ یہ بھی غلط ہے کہ کائنات مین جو چیز ہے وہ ہر وقت اپنی پیشانی کو زمین پر ٹیکے رہتی ہے -

رکوع کا لفظ بھی جھک جانے کے معنی مین نہین آیا ہے جس کا ثبوت سورۂ آل عمران کی یہ آیت ہے :- یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین - اس آیت مین جناب مریم کو ہدایت ہوتی ہے کہ سجدہ کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والون کے ساتھ - اگر رکوع و سجود سے مراد مسلمانون کی نماز کا رکوع و سجود ہو تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ اُسوقت یہود و نصاریٰ کے طریق عبادت کی بھی یہی صورت تھی - حالانکہ اُن کی نماز مین اسلامی نماز کا رکوع و سجود کبھی شامل نہین تھا - اس لئے ظاہر ہے کہ رکوع و سجود کا مفہوم وہ نہین ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے -

اسلئے کلام مجید مین لفظ عبادت، صلوٰۃ، رکوع و سجود سب ایک ہی معنی مین استعمال ہوئے ہین اور وہ معنی یقیناً ظاہری اوضاع نماز سے بہت بلند ہین -

وہ معنی کیا ہین، وہ مفہوم خداوندی کیا ہے ؟ اس کو ظاہر کرنے کے لیے جس طرح دفتر کے دفتر ناکافی ہین اسی طرح صرف ایک فقرہ بھی کافی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان تمام الفاظ مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر تکیف عبودیت پیدا کرے اور عبودیت نام ہے قوانین فطرت رموز قدرت اور سنن آلٰہیہ پر کاربند ہونے کا اور اُس قوتِ بے ہمتا کے برکات و نعایم پر شکر ادا کرتے ہوئے ان سے فایدہ اُٹھانے کا - صلوٰۃ کو تسبیح و تہلیل کہنا اسی بنا پر ہے اور جن و انس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کرنے کا بھی یہی منشا ہے، ورنہ صرف خدا کے نام کو اونگلیون پر شمار کرتے رہنا محض جھک جانا یا سجدہ مین گر پڑنا بالکل فعل عبث ہے اور اُس سے کوئی نتیجہ مترتب نہین ہوتا - مین نے جو یہ عرض کیا تھا کہ کلام مجید مین جہان جہان عبادت کا حکم دیا ہے وہین اس کی غرض و غایت بھی ظاہر کر دی ہے اس بنا پر تھا کہ یہ تمام الفاظ خود اپنے مفہوم کے لحاظ سے اسقدر بلند و عمیق ہین کہ محض ظاہری و رسمی طریق عبادت پر منطبق نہین ہو سکتے اور اپنے اندر وہ تمام ہدایات پوشیدہ رکھتے ہین جو واقعی ایک نماز کو نماز بنانے والے ہین - پھر کلام مجید مین صرف بلاغت سے کام نہین لیا گیا بلکہ کہین کہین اُس کے وہ صراحت بھی کر دی گئی ہے جس کے جناب ناطق صاحب محتاج ہین اور غالباً تنہی عن الفحشاء والمنکر والی آیت انھین بھی معلوم ہو گی -

ابتداء اسلام مین نماز کا رواج نہ تھا - بعد کو نہ محض یہود و نصاریٰ کے تقلید مین بلکہ اس لئے بھی کہ نظام جماعت قایم رکھنے کے لئے اور اجتماعی حیثیت پیدا کرنے کے لئے کوئی صورت پرستش و نیایش کی پیدا کرنا چاہیئے، نماز کا موجودہ طریقہ پیدا کیا گیا، جو یقیناً نہایت عمدہ ہے اگر واقعی اس کی اصلی غرض و غایت فوت نہ ہو جائے -

مین نماز کا مخالف نہین ہون بلکہ اس کو بہترین طریق عبادت جانتا ہون لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ کلام مجید مین اِس نماز کا کہین ذکر نہین ہے اور نہ خدا کی بتائی ہوی عبادت کسی رسم و رواج یا ظاہری نقوش و حرکات کے پابند ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر مصالح اجتماعی کی بنا پر ایک صورت قائم کر دی گئی ہے تو اس کی پابندی یقیناً فرض ہے اور اس کا تارک نظام قومی اور سوسائٹی کا مجرم ہے۔ "نیاز"

(۲)

مغالطہ کو دیکھ کر

علامہ "نیاز"!

تسلیم، "نگار" اشاعت جون کا "مغالطہ ذرا ہٹا کر" میرے سامنے ہے آخری فقرہ ملاحظہ ہو۔

"ایک صاحب۔ اور مین جن کا .... تا .... معنون کر دیا جائے گا"

صدیقی صاحب کا یہ عالی پایہ مضمون واقعی بلا تعنون رہنا ناموزون ہے انھین اِس انتساب کے لئے ایک ایسے عقیل کی ضرورت ہے۔ جسے خداداد عقل کے ساتھ علمِ غیب پر بھی کچھ دسترس حاصل ہو۔

مین قہستانی دنیا کا ایک فرد لمعاتِ علوم و فنون سے ہرچند بیگانہ ہون، تاہم رموز و اسرارِ حیات سے کلیتہً ناواقف نہین، عقل مخصوص سے گو بے بہرہ ہون۔ لیکن شعور عام سے مستثنیٰ نہین مجھے آغاز سے صاحبِ تصنیف بننے کا شوق تا بجد دیوانگی دامنگیر ہے کئی دفعہ دماغ مین سمایا۔ کہ گلستان کو رومن مین لکھ کر صاحبِ تصنیف ہونے کا اعزاز حاصل کرون، کبھی خیال آیا کہ ہملٹ کے سرورق سے شیکسپیئر کا نام کاٹ کر مفت مین اجارہ دارِ "بقاءِ دوام" ہو جاؤن، لبا اوقات خیال کرتا ہون۔ کہ جرمنی مین جا کر "آبِ حیات" اپنے نام پر طبع کرا دُن، یہ سب کچھ دماغ مین آتا ہے، لیکن کرتا اِسلئے نہین، کہ شاید کوئی موضوع حسبِ ذوق مِل جائے۔ اور ہم بلا منتِ غیرے واصلِ منزل ہون۔

آج رشید صاحب کا یہ وعدہ دیکھکر کہ وُہ اِس مضمون کا انتساب صرف اُس صاحب سے کرینگے۔ جو تمام دنیا کو مبتلاءِ مغالطہ سمجھنے والے کا نام بتلا دین۔ کچھ عرض کرنا چاہتا ہون۔

یہ صاحب خود رشید احمد صدیقی ہین جو تمام عالم کو زندانی مغالطہ سمجھنے کے خوگر ہین۔

حضرت نیاز! دیکھئے۔ گو مین آپ کے رسالہ کا باقاعدہ خریدار نہین اور اِسلئے کسی رعایت کی تمنا آپ سے یا کسی ایسے ایڈیٹر سے رکھنا "جب کے رسالہ ہم ہر ماہ مفت پڑھ لیتے ہون" عبث ہے، تاہم آپ کی آزادہ روی، بلند عزمی، فراخ مشربی اور "عُلماءِ براندازی" پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے امید واثق ہے، کہ آپ رشید احمد صاحب کے ہان تعنون کے لئے صرف میرا نام پیش فرمائینگے، مجھے رشید احمد صاحب کا پتہ معلوم نہین، ورنہ مین انھین اسقدر متاثر کرتا کہ وہ چار و ناچار یہ انتساب منظور فرما لیتے

باب کے اتفاقاً صاحب انتساب ہونے کا ایک زرین موقعہ بروئے کار آگیا ہے، اور اس لئے کہ ہمین صاحب تصنیف وصاحب انتساب بننے کا جنون "بلا مبالغہ" تا "بحد مبالغہ" ہے، اسلئے "ہم" کمرر آپ سے ملتجی ہوتے ہین (ہم کا لفظ اسلئے استعمال کررہا ہون، کہ مین اور میرے اشواق متعددہ مل کر یقیناً صیغۂ جمع بنانے مین کامیاب ہورہے ہین، آخر حضرت ابراہیم بھی تو انھین مختلف ولولون، اور متعدد آرزوہائے عمل کی بنا پر "امۃ واحدہ" بن گئے۔ ہم کیون "ہم" تک باین ہمہ ہنگامہائے شوق نہ بن سکین) کہ آپ ہماری پرزور الفاظ مین سفارش فرماکر ہمین صدیقی صاحب کے بلند پایہ مضمون کا انتساب حاصل کرنے مین کامیاب بنادین، ہم بشرطِ کامیابی آپکے دربارِ بے نیاز مین متعدد تحفہ ہائے نیاز بصورت ذیل پیش کرینگے۔

(۱) ہم ریش مبارک کے بقیۃ الآثار کو رخصت فرمادین گے۔

(۲) ہمین عربی سے کچھ لگاؤ پیدا ہورہا ہے آپکے خاطر ترک فرمادین گے۔

(۳) آپ کا ایک مضمون پڑھ کر نمازون کی تعداد مین ۲ اور ۵ کی نسبت سے کمی کردی تھی، آیندہ کے لئے انشاء اللہ مضمون جدید کے ماحصل کو دیکھتے ہوئے شکل وصورت مین حسب خواہش تغیر وتبدل کردین گے۔

(۴) مذہب وملت کے نظام کہنہ کو برہم کرتے ہوئے ہم ایک ایسے آزاد احریت دوست اور سہل ممتنع دین کی بنیاد ڈالین گے، کہ جو خدا و عالم کے بجائے متمدن دنیا کی نئے پود کا صحیح ترجمان ہوگا۔

(۵) ہم دنیا کے ہر مسئلہ پر آلہیاتی ہو یا طبعیاتی، نفسیاتی ہو یا نباتاتی منطقی ہو یا فقہی، الغرض کسی علم سے تعلق رکھتا ہو، بے ساختہ، بے تحاشا اور بے باکانہ قلم اُٹھائینگے، نقص بیان، ضعفِ استدلال اور نقاہت معقولیت پر تابناک الفاظ اور جمیل تراکیب کا حجاب ڈال دینگے۔

(۶)۔ آئمۂ کرام کی فقہی موشگافیون، کبرائے ملت کی آئینی نکتہ سرائیون محدثین ماضیہ کی جگر گداز عرق ریزیون او متکلمین اولی کی تابناک کاوشون کو ہفوات سے زیادہ وقعت نہین دینگے۔

(۷)۔ الغرض (حسب تجویز نو) مطبع نگار کے تورائیدون کو اپنا رہبر، مجلدات نگار کو صحفِ مقدسہ تسلیم کرتے ہوئے اپنی ہر تحقیق کا منتہا اپنی ہر جستجو کی آخری منزل الہامات نیاز کو قرار دون گا۔

میرا خیال ہے۔ کہ الہامات "نیاز" مین سے نگارستان کے افسانے خصوصیت سے قابل تمسک ہین، کیوپڈ دسائکی۔ صحرا کا گلاب یہ وہ ایمان طلب تحریرات ہین، جنکی ہر سطر (خصوصاً جبکہ موضوع تحریر صنف نازک کی ستم شعاریان ہون) حلقۂ ایمان کے لئے پیغام انہدام ہے، گو ایمان متان اس سے حیاتِ نو مستعار لیتا ہے، یبوست حیات افراد کے لئے پیام اجل ہے، نتیجۃً نگارستان کا ہر افسانہ افسانہ کی ہر سطر، ہر سطر کا ہر حرف شورش سے لبریز ہے، اس سے بحث نہین، کہ وہ ہیجان دنیائے روح مین ہو، یا عالم عناصر مین۔ بہرحال یہ مسئلہ طول طلب ہے، اگر آپ

اجازت دین تو مین ایک "قہستانی فردِ نگارستان یا کلام نیاز" پر ایک نو مسلمانہ تنقید لکھکر بھیجون، جسے آپ نگار مین شایع کرین - اور اس طرح مجھے اہل تصانیف کی فردوسی صف مین جگہ مل جائے) اسلئے اس وقت مجرمانہ نقاشی کے لئے عفو طلب ہوتا ہون -

نیاز مند

غلام جیلانی برق - بی اے

نگار:- آپ کی یہ تحریر نگار مین شایع کی جاتی ہے اس لئے مضمون نگار تو آپ ہو ہی گئے اور اس طرح غالباً آپ کے بڑھے ہوئے "ہیجان علمی" کی یک گونہ تسلی ہو گئی ہو گی - رہا معاملہ تعنون کا سو، اس پر مجھے اختیار نہین - اگر رشید احمد صاحب کے نزدیک آپ کا یہ "التشاف" واقعی صحیح و درست ہے تو کوئی وجہ نہین کہ وہ اپنے "مغالطہ" کا انتساب جناب کے نام نامی سے نہ کر دین، حالانکہ اس وقت تک آپ کا "مغالطہ" مین مبتلا ہونا "بحد مبالغہ" کیا بلکہ "بحد ضرورت" بھی کسی جگہ سے ثابت نہین ہوتا -

آپ نے جو تحفہ ہائے نیاز پیش کرنے کا وعدہ کیا ہے ان کے جواب مین سوائے اس کے کیا عرض کر سکتا ہون کہ

"کہین نظر نہ لگے نہ اُن کے دست و بازو کو"

یہ سب توفیق کی باتین ہین جو ازل سے "باندازۂ ہمت" عطا ہوتی ہین -

ممکن ہے کہ دفتر نگار آپ کے ان ہدایائے گرانمایہ کے خاطر خواہ قدر نہ کر سکے لیکن یہ یقینی ہے کہ جس وقت "قہستانی" دنیا کی تاریخ مرتب کی جائیگی تو اس کے سرنامہ کو سب سے پہلے جناب ہی کے اسم گرامی کے طغرا سے مزین کیا جائے گا اور تا "لانہایت" صرف آپ ہی وہان کے "بطل اعظم" اور "صاحبقران اکبر" تسلیم کئے جائین گے - لیکن اگر ناگوار خاطر نہ ہو، تو عرض کر دون کہ براہ کرم پہلے "فلسفۂ تمدیہ" کے اصول کا مطالعہ ضرور فرما لیجئے تاکہ آیندہ آپ اپنی فطری "سیر چشمی" اور غیر معمولی "رواداری" کے زیر اثر آکر اُن اشیاء سے محروم نہ ہو جائین جو ہر چند "کالائے بد" تو نہین ہو سکتین، لیکن پھر بھی "ریش خاوند" تک پہونچنے کے لئے بیتاب نظر آتی ہین -

(۱) ہم کو معلوم نہین کہ آپ کی ریش مبارک "آثار باقیہ" واقعی "ضادیہ عجم" کی حیثیت رکھتے ہین یا نہین اگر ایسا ہے تو ان کے قایم رکھنے مین بھی کوئی مضایقہ نہین کہ "خزان" کو دیکھ کر بھی "بہار" کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے - اور اگر ایسا نہین تو پھر آپ خود ہی انصاف فرمائیے کہ تحفہ کس چیز کا ہو گا؟ "بقیۃ الآثار" کا یا اس "فضا" کا جہان سے وہ محو کئے گئے ہین -

(۲) - آپ عربی سے اپنا لگاؤ ترک کیجئے یا نہ ترک کیجئے، لیکن اُس سے "لاگ" بھی نہ رکھئے کہ آپ کی اور ہر ذہین آدمی کی انشاء کی جان وہی ہے۔ آپ کا یہ تحفہ آپ کو بے برگ و بار کر دیگا اور ہمین کسی کی تباہی منظور نہین۔

(۳) - اگر ہمین آج معلوم ہو جائے کہ واقعی آپ نے کبھی نماز پڑھی تھی، تو ہم آپ کو مشورہ دین کہ ۲ اور ۵ کے کی نسبت سے گھٹانے کے بجائے آپ اُسے ۵ اور ۵۰ کی نسبت سے بڑھا دین (کیونکہ ایک حدیث کے مطابق اصل مین نماز پچاس ہی وقت کی فرض ہوئی تھی لیکن جناب موسیٰ کے مشورہ سے رسول آخرالزمان نے خدا سے بعد التجاء مکرر اُسے اتنا مختصر کر دیا)۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ آپ بھی انھین لوگون مین سے معلوم ہوتے ہین جو یہ تمنا رکھتے ہین کہ کاش اُس وقت وہ بھی ہوتے اور رسول اللہ سے اصرار کر کے نماز کو بجائے ۵ کے صفر تک پہونچا دیتے جس مین اضعافی قوت ۵۰ سے بھی زیادہ ہے۔

(۴) - متمدن دنیا کا ساتھ دینا والا جو مذہب ہے وہی اسلام ہے۔ ہمین آپ کی اس بے خبری پر تاسف ہے کہ جس سہل ممتنع دین کی آپ بنیاو ڈالنا چاہتے ہین وہی مذہب و ملت کا نظام کہنہ ہے آپ وہی کیون نہ کہین جو کسی شہید صداقت نے کہا تھا "من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را"

(۵) آپ کا یہ تحفہ چونکہ یکسر "طنزیات" سے متعلق ہے اسلئے اگر یہ تحفہ بھی ہے تو شاید اُس قسم کا جیسے کلیوپیٹرا اپنے جانبازان الفت کو سرشار لذت کرنے کے بعد "جام زہر" کی صورت مین پیش کیا کرتی تھی اسلئے تصور سے کام لیکر ہم کسی کے "لب شکر خا" کا جواب تلخ سمجھ کر اس کا بھی شکریہ ادا کرنے کے لئے طیار ہین۔

(۶) - اکابر متقدمین کی کاوشون کو آپ کا ہفوات سمجھنا اگر دنیا سے انھین "وحی یوحی" تسلیم کرسکتا ہے تو اس "نیشتر کی خلش" بھی ہمارے لئے بہت کچھ باعث لذت ہو سکتی ہے۔

(۷) - مجلدات نگار کو صرف زبان سے صحف مقدمہ کہنا کافی نہین۔ "تصدیق بالجنان" ایمان کی ضروری شرط ہے اور آپ کی تحریر کا سارا انداز تو کفار عرب کا "راعنا" نظر آتا ہے۔ درآنحالیکہ آپ نے کلام مجید مین یہ بھی دیکھا ہوگا "واللہ یستہزی بھم و یمدھم فی طغیانھم یعمھون"

نگارستان کے متعلق آپ نے جو اظہار خیال فرمایا ہے اس کا تعلق چونکہ مدیر نگار سے نہین بلکہ مصنف نگارستان سے ہے اس لئے اس باب مین اگر شرمندۂ احسان ہونگے تو وہ نہ کہ ہم۔ — اڈیٹر

ہمیشہ یاد رکھئے

(۱) خط و کتابت میں نمبر خریداری درج کرنا (۲) جوابی امور کیلئے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا۔ (۳) بیس ۲۰ تک پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع کرنا (۴) منی آرڈر کے کوپن میں نمبر خریداری درج کرنا۔

(مینیجر نگار لکھنؤ)

باب الاستفسار

علم غیب

(جناب محمد نواز صاحب خلش - دیوالہ)

آجکل ضلع میانوالی میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ آیا نبی صلعم کو علم غیب جزءً تھا یا کلاً، براہ نوازش بذریعہ رسالہ نگار مطلع فرماکر ممنون کیجئے۔

اس سوال کے جسقدر مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہو سکتی ہے بالوضاحت بیان فرمائیں، یعنی (۱) علم غیب سے کیا مراد ہے (۲) جزءً یا کلاً سے کیا مراد ہے (۳) حضرت آدمؑ کو علم غیب عطا فرمایا گیا تھا یا نہیں۔

(نگار) کچھ زمانہ قبل یہ مسئلہ شمالی ہند میں اٹھایا گیا تھا اور مولویوں نے خوب خوب داد شجاعت دی تھی۔ زبانی مناظرے ہوئے، تحریری مجادلے ہوئے۔ سب دشتم اور تکفیر کے حربے استعمال کئے گئے۔ لیکن آخر کار جو نتیجہ اس نوع کے نزاع وبحث کا ہوا کرتا ہے وہی ہوا۔ یعنی تھوڑے دنوں کے بعد ہر فریق اپنی اپنی جگہ تھک کر بیٹھ گیا اور کچھ پتہ نہ چلا کہ "نبی آخر الزماں کو علم غیب حاصل تھا یا نہیں؟"

تمام ان مسایل میں جن کا تعلق کلام مجید سے ہو، ہم لوگوں کی بڑی غلطی یہ ہوا کرتی ہے کہ خود کلام پاک سے سمجھنے کے بجائے منقولات، روایات اور تفسیرات وغیرہ کی جستجو کرنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں باہم تعارض وتضاد پاکر رہی سہی کیفیت مطمئنہ بھی کھو بیٹھتے ہیں، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ابو حنیفہ کی تقلید کریں یا شافعی کی، امام احمد کا کہنا مانیں یا امام حنبل کا، رازی کے لکھے کو صحیح مانیں یا غزالی کی تحریر کو، اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ باوجود تباین وتضاد کے جو ان اکابر کے اقوال یا احادیث کے روایات میں پایا جاتا ہے، ایک مولوی اس امر پر بھی مجبور کرتا ہے کہ سب کو صحیح مانو، کسی کو غلط نہ سمجھو، گویا وہ اس بات کا قایل ہے کہ دو نقطوں کے درمیان ایک سے زیادہ خط مستقیم کھینچے جا سکتے ہیں۔

بظاہر اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ اصل چیز کلام مجید ہے، لیکن عمل یہ ہے کہ اصل سمجھا جاتا ہے اقوال مفسرین کو اور اسکے اتباع میں کلام پاک سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ کلام مجید کا علم آسان نہیں اور ہر شخص کو اسکی جسارت نہ کرنا چاہیئے، لیکن میں اس بت پرستی کو بھی ناجائز سمجھتا ہوں کہ متقدمین کے اقوال کو "وحی یوحیٰ" قرار دیا جائے اور ان کی ہر بات خواہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے ضرور تسلیم کرلیا جائے کیونکہ جب علم قرآن کی وسعت اتنی زبردست ہے کہ کوئی انسان اس کے تمام رموز کو نہیں جان سکتا تو پھر جس طرح میں کے ماہر وعالم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا،

صاحب کشاف وجلالین بھی نہیں کر سکتے ، البتہ فرق یہ ہے کہ اگر ان سے دس غلطیوں کا امکان ہے تو مجھ سے بیس یا اس سے زاید کا، لیکن اس کے کیا معنی کہ ان کی ہر غلطی "اجتہاد" تسلیم کیجائے اور باوجود غلطی ہونے کے بھی ، ثواب کے مستحق ہوں اور میری ہر بات خواہ وہ کتنی ہی اقرب عقل وانصاف کیوں نہ ہو، محض اس لئے غلط قرار دیدی جائے کہ اس سے قبل کسی نے ایسا نہیں لکھا، حالانکہ اگر نہیں لکھا تو اس کی ذمہ داری ان پر ہے، نہ کہ مجھ پر، لیکن ہم لوگوں کی کورانہ تقلید اس حد تک بڑھ گئی ہے اور اپنے حواس وادراک کو اس درجہ بیکار بنالیا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ تمہارے چہرہ پر بھی آنکھیں ہیں تو ہم اسکا یقین کرنے کے بجائے خود اس کو اندھا سمجھنے لگتے ہیں۔ اگر عقول انسانی کی ترقی کا دروازہ واقعی بند ہوگیا ہے اور مبدء فیاض اپنے تمام انعامات ختم کرکے اب بالکل معطل ہوگیا ہے، تو خیر، ورنہ ہر شخص کا ایمان خود اسکی ذاتی چیز ہے اور اسی کے اطمینان نفس سے اس کو متعلق ہونا چاہیے۔ اگر متقدمین کے اقوال سے اس کو طمانینت قلب حاصل نہیں ہوتی بلکہ خود غور کرکے کسی نتیجہ پر پہونچنے سے اسکو اطمینان حاصل ہوتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اسے کافر ومرتد کہہ دیں اور اس کو مجبور کریں کہ نہیں سمجھے تو "صاحبین" یا "شیخین" ہی کے ساتھ جنت و دوزخ میں جانا ہے اور خدا نے صرف متقدمین ہی کو صحیح راستہ بتایا تھا اور وہی اسکے "روح القدس" تھے۔

مدعا اس سے یہ ہے کہ چونکہ ہمارے یہاں کے علماء اکثر وبیشتر مسائل میں کلام مجید میں غور کرنے کے بجائے منقولات کو لے بیٹھتے ہیں، اور خود اپنی عقل، اپنے تدبر و تفکر اور اپنے اجتہاد سے کام نہیں لیتے، اس لئے وہ نہ اوروں کو مطمئن کر سکتے ہیں اور نہ خود ہوتے ہیں، یہی حال مسئلہ غیب کے جھگڑے کا ہوا کہ چند دنوں تک باہم دست وگریبان رہنے کے بعد خاموش ہوگئے اور کوئی لٹریچر ایسا نہ چھوڑا جس سے کسی شخص کو اطمینان ہو سکتا۔

میرے نزدیک غیب کا مسئلہ نہایت صاف وآسان مسئلہ ہے اور اسمیں کسی نہ کو نہ زیادہ عقل آرائی کی ضرورت ہے اور نہ کسی بحث ونزاع کی۔

لفظ غیب یا غائب لغوی معنے میں ہر اس امر کو کہتے ہیں جو مستور ہو آنکھوں سے نظر نہ آئے اور جس کا ہم زمان ومکان متعین نہ کر سکیں۔ چنانچہ جب کوئی آواز کسی ایسے مقام سے آتی ہے جس کا پتہ نہیں ہوتا یا جو نظر نہیں آتا تو عربی زبان میں اسکو اس طرح ادا کرتے ہیں:۔

"سمعت الصوت من وراء الغیب"

اب دیکھنا یہ ہے کہ کلام مجید میں اس لفظ کا استعمال لغوی معنے سے ہٹ کر تو نہیں ہوا؟ قرآن میں متعدد جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سب سے پہلے تو سورۂ بقر کی بالکل ابتداء میں "یومنون بالغیب" نظر آتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت میں "غیب" کے جو یہ معنے لکھے ہیں (کہ آنکھ بند کر کے ایمان لاتے ہیں) ان سے مجھے اختلاف ہے۔ اس کا جو مفہوم عبد اللہ ابن عباس نے ظاہر کیا ہے وہی درست معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "الغیب ھو اللہ" یعنی غیب سے

مراد خدا کی ذات ہے۔ چونکہ خدا کی ذات مستور ہے اور نظر نہیں آتی اس لئے اس کو لفظ غیب یا غائب سے تعبیر کرنا، بالکل لغوی معنے کے لحاظ سے ہے جسمیں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

سورۂ آل عمران میں جب جناب مریمؑ کو ان کی تطہیر و پاکیزگی کا یقین دلاتے ہوئے اطاعت و عبادت کی ہدایت کیگئی تو اسکے ساتھ ارشاد ہوا کہ:-

ذالك من انباء الغيب نوحيه اليك

یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تجھے بتاتے ہیں۔ یہاں غیب کے معنی خواہ خدا کے لیجئے یا محض عالم مستور کے (جو "عالم الشہادۃ" کا ضد ہے) کوئی فرق نہیں ہوتا اور وہی لغوی معنے بدستور قایم رہتے ہیں۔

دو مقام پر صاف صاف علم غیب کے متعلق اظہارِ حقیقت کیا گیا ہے:-

سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے:- "وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو"

یعنی خدا ہی کے پاس غیب کے خزانے یا کنجیاں ہیں جن کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ دوسری جگہ سورۂ جن میں مرقوم ہے:-

"عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احداً الا من ارتضى من رسولٍ"

یعنی وہ عالم الغیب (خدا) اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اسپر جسے وہ رسالت کے لئے چن لے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ انعام، سورۂ جن کی آیتیں متعارض ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ سورۂ انعام میں جو حقیقت ظاہر کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے یعنی یہ کہ رموز غیب کا جاننے والا صرف خدا ہے اور سورۂ جن میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان رموز کو وہ اپنے رسولوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔

اس طرح گویا سورۂ جن سے یہ امر روشن ہو گیا کہ خدا رسولوں کو علم غیب عطا کرتا ہے۔ لیکن فیصلہ کرنے سے قبل دو باتوں پر غور کر لینا ضروری ہے ایک یہ کہ عالم غیب، عالم مستور، رموز غیب وغیرہ سے کیا مراد ہے اور علم کی کتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

عالم غیب اور عالم شہادت، دو عالم مانے جاتے ہیں۔ عالم شہادت تو وہ جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے یا جس کا ہم کو علم ہو چکا ہے اور عالم غیب وہ جو ہماری نگاہ اور ہمارے حواس وادراک سے پوشیدہ ہے۔ اور یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ "عالم شہادۃ" بہ نسبت عالم غیب کے نہایت مختصر ہے۔ انسانی معلومات کا نقص اور انکی تنگی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ جو کچھ انسان کو معلوم ہے اور جن امور کا وہ اپنے آپ کو محقق کہتا ہے وہ بھی اسے پوری طرح نہیں معلوم، چہ جائیکہ تمام کائنات اور رموز کائنات و آفرینش سے آگاہ ہونا۔ الغرض انسان کے سامنے جو کچھ ہے وہ عالم غیب کا نہایت ہی حقیر و مختصر سا حصہ ہے جس کا علم اس کو حاصل ہو گیا ہے اور جس کو ہم عالم الشہادۃ کہتے ہیں وہ بھی کسی وقت

عالم الغیب ہی میں داخل تھا۔

علوم حاضرہ کی تمام تحقیقات، فنون جدیدہ کی تمام معلومات کسی وقت سب عالم غیب ہی میں داخل تھیں جو بعد کو عالم الشہادت میں داخل ہوئیں، علم الکیمیا کے تمام نظریے، علم طبقات الارض کے تمام انکشافات طبعیات کے جملہ مسایل الغرض اسوقت کے تمام معلومات سب عالم غیب سے متعلق تھے جواب عالم الشہادت میں آگئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کونسے غیب کے خزانے ہیں جو آیندہ انسان کو عطا ہونے والے ہیں، اسلئے یہ کہنا کہ غیب کا علم رسول کو نہیں تھا اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ کلی علم کسی انسان کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا لیکن جزئی علم ہر انسان کو حاصل ہے چہ جائیکہ انبیاء و رسل جو بہر نوع زیادہ مکمل انسان تھے۔

علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جسے علم کنہٗ و حقیقت کہتے ہیں دوسرا علم علت و معلول۔ قسم اول کا علم تو یقیناً سوائے ذات باری کے کسی کو نہیں ہو سکتا، لیکن قسم دوم کا علم ہر انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اور عقل و دماغ کے تفاوت سے اس میں بھی مدارج ہوتے ہیں۔ اگر اسکی زیادہ تشریح کی ضرورت ہے تو یوں سمجھ لیجئے کہ ایک انسان یہ تو سمجھ سکتا ہے کہ جب دو چیزیں آپس میں ملیں گی تو ایک تیسری چیز یہ رونما ہوگی، لیکن وہ "کیوں"، کا جواب نہیں دے سکتا، کیوں کا علم صرف خدا کو ہے اور انسان ابتک بقدر یک دانۂ خردل بھی اسکو حاصل نہیں کر سکا ہے۔

اب اگر انبیاء یا رسول اللہ کے متعلق کہا جائے کہ وہ کنہ و حقیقت کا علم رکھتے تھے تو میں اسکے ماننے کیلئے طیار نہیں، لیکن جس طرح اور دوسرے انسانوں کو بعض نوامیس قدرت کا "علم معلولی" ہو سکتا ہے، اسی طرح ان کو بھی حاصل تھا، البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کا علم، ان کی عقول عالیہ اور نفوس ذکیہ کی وجہ سے زیادہ بلند و وسیع رہا ہو۔

اب ذرا مادی دنیا سے بالکل جدا ہو کر صرف روحانی عالم میں آجائیے تو یہاں بھی وہی صورت نظر آئے گی۔ اسوقت مسمریزم، ہپناٹزم، قوت مقناطیسی، اخبار عن الغیب، پیشین گوئی، قراءۃ افکار (دل کا حال معلوم کر لینا) یا اس قبل رمل، جفر، نجوم وغیرہ کے ذریعہ سے احکام صادر کرنا، یہ سب علم غیب ہی سے متعلق ہیں اور انسان دماغ کو مخصوص طور پر تربیت کرنے کے بعد یہ تمام باتیں بتا سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی علم کنہ و حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ نتیجہ ہے اس قوت کا جو خاص مشق کے بعد بلا کسی اصول و ضابطہ کے کسی امر کے طرف رہبری کرتی ہے۔ انبیاء چونکہ قدرت کی طرف سے نہایت ہی اعلیٰ دماغ لیکر آئے تھے اس لئے اگر وہ کوئی پیشین گوئی کر دیتے تھے، یا کسی امر غیر معلوم کے متعلق کوئی صحیح حکم لگا دیتے تھے تو حیرت کی کوئی بات نہیں اور نہ اسکو علم غیب سے متعلق کرنے میں کوئی غلطی ہے۔

آپ کے دوسرے سوال کا جواب بھی اسمیں آگیا کیونکہ اگر آدم کسی پیغمبر کا نام تھا تو پیغمبر ہونے کی وجہ سے اور اگر اس سے مراد محض انسان ہے تو انسان ہونے کی وجہ سے اسپر بھی عالم غیب کے انکشافات ہونا مستبعد نہیں تھا۔ سب سے پہلے جب انسان نے پتھروں کے اوزار بنا کر ان سے کام لیا تو یہ بھی علم غیب ہی تھا اور آج جبکہ انسان ہوا میں اُڑتا پھر رہا ہے،

غیب ہی کے خزانہ کا عطیہ ہے اور کل جب وہ کرۂ قمر میں اپنی نو آبادیوں کی بنیاد ڈالے گا، اور اہل مریخ کے ساتھ لاسلکی ٹیلی فون قایم کرے گا، اس وقت بھی یہ سب عالم غیب ہی کے ایک جزو کا انکشاف ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان اگر اس سے زیادہ ترقی کر کے وہ کچھ ہو جائے جسے انسان نہیں کہہ سکتے تو بھی وہ مجبور و جاہل ہی رہیگا، اور کنہ وحقیقت کا علم یا عالم غیب کی وسعت و پہنائی کا انکشاف اس پر کبھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کے دماغ میں اس ادراک کی اہلیت ہی موجود نہیں۔

نیاز

نگار بک ایجنسی کی زیر طبع کتابیں

نگارستان یعنی حضرت نیاز کی بہترین شاہکاروں کا مجموعہ ختم ہوگیا ہے۔ اسکے دوسرے اڈیشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں جسمیں پہلے اڈیشن سے بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔

شاعر کا انجام حضرت نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ، جسمیں زور انشار، بلندی تخیل، ندرت بیان اجدت ادا اور جذبات حسن ومحبت کا اظہار معجزانہ طور پر کیا گیا ہے۔ اور جس کی نسبت عام طور پر یہ فیصلہ ہوگیا ہے کہ ایسا مست و پرشباب افسانہ، عبارت کی ایسی رنگینی اور خیال کی ایسی بلندی کے ساتھ اردو میں کوئی نہیں لکھا گیا۔

فلسفہ مذہب سید مقبول احمد بی۔ اے کا تمام وہ سلسلۂ مضامین جو اس عنوان سے نگار میں مسلسل شایع ہو چکا ہے اور جسکو ملک نے صد درجہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

سائنس کے عجائب ہندوؤں کے بہت سے پوشیدہ علوم میں سے ایک علم سائنس کا بھی تھا جس کی مدد سے وہ بیماروں کو اچھا کرتے تھے، ماضی و مستقبل کا حال بتاتے تھے، نیک و بد ساعتوں کی تعیین کرتے تھے، اور اسی طرح کے بہت سے عجیب و غریب اعمال محض سائنس کی مدد سے دکھاتے تھے۔ اس علم کے تمام راز اس کتاب میں محفوظ کر دئے گئے ہیں اور ہر شخص اس کے مطالعہ کے بعد حیرت انگیز طور پر پیشین گوئیاں کر سکتا ہے۔

ان کتابوں کی درخواستیں درج رجسٹر ہو رہی ہیں اور جن کی درخواستیں پہلے سے درج ہو جائیں گی ان کیساتھ کوئی خاص رعایت کی جائے گی جس کا فیصلہ بعد کو ہوگا۔

,, مینیجر نگار لکھنؤ ،،

"...... وے بخیر گزشت"

میری انکی محبت کا فسانہ اپنے آغاز و انجام اور تمام درمیانی کڑیوں کے لحاظ سے بہت مختصر تھا۔ سینما ہال کے اندر جب کہ بجلی کی روشنی عورت کو خدا جانے کیا چیز بنا دیتی ہے (مرد کا حال نہیں معلوم کہ وہ عورت کی نگاہ میں اسوقت کیسا نظر آتا ہے) انہوں نے مجھے دیکھا۔ اور میں نے انکو، تماشہ کے دوران میں ایک خاص منظر کے اثر سے ان پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ میں نے سنبھال لیا۔ اُدھر سے شکریہ، اِدھر سے اظہار عجز و انکسار پیش کیا گیا۔ اس کے بعد ڈرامہ پر تنقید، فلسفۂ محبت پر ہلکی سی گفتگو ہوئی۔ دوسرے دن صبح کی چار کی دعوت اور شام کو انتہائی بے تکلفی ——— یہ تھا اس محبت کا انجام جس کے متعلق ایک ایشیائی شاعر خدا جانے کیوں یہ لکھتا ہے:۔

من کردہ ام آغاز بہ پایاں کہ رساند

میں ہفتہ میں صرف دو بار سینما جانے کا عادی تھا۔ لیکن اب روز کی شرکت ضروری ہوگئی۔ اس سے قبل بکس کے اندر بیٹھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ ہال کے تاریک ہونے کے بعد بکس کی چار سیٹوں کو جب صرف دو آدمی گھیرے ہوتے ہیں تو تماشہ کی طرف سے کیوں بالکل آنکھیں پھیر لی جاتی ہیں۔

بیوی نے ایک دن پوچھا "آجکل روز سینما جانے کی ضرورت کیوں پیدا ہوگئی ہے۔ اس سے پہلے تو ہفتہ میں صرف دو بار کا معمول تھا۔ آجکل کیا روز نیا تماشہ ہوتا ہے" ——— ان کی گفتگو سے ہمیشہ ایک خاص قسم کی ہیبت اپنے اوپر طاری ہوتے ہوئے محسوس کیا کرتا ہوں، خاصکر اسوقت جبکہ کسی معاملہ میں خطا میری ہو۔ میں انکے پہلے ہی فقرہ سے تقریباً بدحواس سا ہوگیا تھا لیکن انکے آخری فقرہ نے خود جواب کی طرف میری رہبری کی اور میں نے گھبرا کر کہا "ہاں، آجکل روز نیا تماشہ ہوتا ہے۔

یہ سن کر وہ خاموش ہوگئیں، کچھ میں نے موضوع بدلنے کے لئے فوراً ہی ان کے بھائی کا ذکر شروع کر دیا جن کا خط شام کی ڈاک سے آیا تھا۔

——— "آپ نے دیکھا میری پکفورڈ کی یہ ایکٹنگ کس حد تک غیر فطری تھی"

——— "نہ صرف غیر فطری بلکہ بالکل غیر جمالیاتی"

——— "یہ لوگ کیوں اسے "محبوبۂ عالم" کہتے ہیں۔ اسمیں آخر وہ کونسی بات ہے جو کسی اور میں نہیں ہوسکتی"

——— "لوگ ہر اس چیز کو "محبوب" بنانے کے عادی ہیں جو انہیں نہ ملے۔ حالانکہ میرے نزدیک یہ بالکل غلط اصول ہے"

یہ کہتے ہوئے میں نے اس کا نرم ہات اپنے ہات میں لے کر دبایا اور ہال کی تاریکی میں اس نے اپنا سر میری آغوش میں رکھدیا گویا وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔

فلم تیزی کے ساتھ "چک چک" کرتا ہوا ختم ہوا۔ روشنی سے ہال جگمگا اٹھا۔ اور سب سے پہلی چیز جس نے مجکو چونکایا، وہ ایک ہاتھ تھا۔ جس نے میرے شانوں کو جھنجھوڑ کر رکھدیا۔

—— "چلئے سواری کا انتظام کیجئے۔ میں تنہا ہوں" یہ میری بیوی کی آواز تھی۔ میری حالت کیا ہوئی ہوگی؟ اسکا صحیح اندازہ تو اسی وقت ہو سکتا۔ جب کوئی شخص میرے اس وقت کی حالت کا فلم تیار کر لیتا۔ لیکن مختصراً تشبیہاً یوں سمجھ لیجئے کہ اسوقت سارا کرۂ ارض مجھے دلدل نظر آرہا تھا اور میں اس میں نہایت تیزی سے سمایا جا رہا تھا۔

میری بیوی یوں تو صحیح معنے میں بیوی ہے، لیکن ہے آجکل کی بیوی ہر ہر بات پر محاسبہ کرنے والی، تنقید کی اہلیت رکھنے والی۔ اور ہر طرزِ عمل کا سبب دریافت کر کے غیر مطمئن رہنے کی حالت میں "ستیاگرہ" اور "سوراج" کا اعلان کر دینے والی، اور حقیقت یہ ہے کہ میں انکی اس آزادی سے برہم بھی نہیں تھا۔ لیکن رات بغیر میرے علم کے، مجھے دھوکا دیکر، جاسوسی کی غرض سے سینما پہونچ جانا اور وہاں اپنے آپ کو ایک سخت ٹریجڈی کی صورت میں میرے سامنے پیش کرنا۔ یہ باتیں اسدرجہ غیر معمولی اور غیر متوقع تھیں کہ جب میں اپنے حواس میں آیا اور رات کی تنہائی میں ان پر غور کیا، تو یکسر ناقابل برداشت نظر آئیں —— میں بہت صبح اٹھکر باہر چلا آیا اور غور کرنے لگا کہ دیکھئے نتیجہ کیا ہوتا ہے —— دفعۃً اندر سے خادمہ آئی اور ملازم کو آواز دی کہ "ٹیکسی لاؤ اور اندر آکر اسباب باندھو بیگم صاحب چھوٹے میاں (یعنے اپنے بھائی) کے پاس جائیں گی" —— "ٹیکسی لاؤ! —— اسباب باندھو!" —— اب واقعی میرا غصہ بڑھنے لگا اور "الرجال قوامون علی النساء" کی آیت پر نہایت انہماک سے غور کرنے لگا۔

یہاں تک کہ میں نے بھی عزم کر لیا کہ جاتی ہیں تو جائیں۔ نہ روکوں گا اور نہ خود بلاؤں گا —— اس کے بعد ہی میرا خیال اپنی نئی محبوبہ کی طرف منتقل ہوا اور اس کی بری باتیں بھی مجھے اچھی معلوم ہونے لگیں —— "وہ کسقدر مہذب و شایستہ ہے، کیسی محبت کرنے والی اور کسدرجہ جمیل ہے —— اگر بیوی نہیں رہنا چاہتیں تو مناسب ہے طلاق حاصل کر لیں۔ میں بھی آزاد ہو جاؤں گا اور پھر مس ..... سے شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا، اسی روک کی وجہ سے میں نے ہمیشہ شادی کے ذکر کو ٹالا، لیکن اب خدا کی طرف سے اسباب پیدا ہو رہے ہیں" یہ سوچتے ہوئے میں نے خط کا کاغذ نکالا اور قلم ڈبو کر لکھنے والا تھا کہ مس ..... کا آدمی آیا اور یہ رقعہ دیکر چلا گیا۔

"کل رات کے واقعہ نے میرے خیال کی دنیا کو بدل دیا ہے ممکن ہے آپ اب بھی مجھے مبتلائے فریبا

رکھنے کی کوشش کریں۔ بہرحال آیندہ کبھی مجھے مخاطب کرنے کی زحمت نہ گوارا کیجئے۔ میں آپ کی محبوبہ کے طرزِ عمل سے خوش ہوئی کہ اُس نے آپ کے پُرفریب خط و خال کو یوں میرے سامنے بے نقاب کر دیا۔ اُمید ہے کہ اب آپ نکاح کے وعدہ کو میری طرف سے منتقل کر کے انہیں کی خدمت میں پیش کریں گے۔ میں آج نینی تال جا رہی ہوں۔

خط پڑھ کر ہاتھ پاؤں سنسنانے لگے، سر چکرانے لگا اور ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ بدن کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس نیم مردہ حالت میں گزرنے کے بعد پھر ردِ عمل شروع ہوا، اور بیوی کے تمام محاسن ایک ایک کر کے میرے سامنے آنے لگے۔ اب مجھے کچھ ہنسی بھی آ رہی تھی کہ بیوقوف نے میری بیوی کو اپنا ہی جیسا آبرو باختہ سمجھ لیا ——— اب یہ جوش پوری قوت کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ اور کشاں کشاں مجھے اندر لئے جا رہا تھا۔

——— "جی ہاں، اب میرا یہاں رہنا بیکار ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی بیوی گھر میں نہیں رہ سکتی جب سینما کا پروگرام روز بدلنے لگے۔

ان کے اس فقرہ پر بے اختیار مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے کہا "اچھا اگر آج سے میں یہ عہد کر لوں کہ سینما کا پروگرام روز نہ بدلے گا تو بھی تم نہ مانو گی، چلی جاؤ گی"

——— "ہاں چلی جاؤں گی"

——— کیوں

——— "اس لئے کہ تمہارا کیا اعتبار"

جب ضد دلائل کے حدود میں آتی ہے تو ضد نہیں بلکہ رواداری ہو جاتی ہے۔ اسی لئے میں نے اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہا اور حلف کی تمام ممکن صورتوں کے ساتھ میں نے انہیں یقین دلایا کہ آیندہ کبھی بغیر تمہاری اجازت کے سینما کیا معنے گھر سے باہر قدم نہ نکالوں گا، کیونکہ ممکن ہے کہ پھر تمہیں مغالطہ ہو جائے اور تم ایک غیر عورت کو جس سے مجھے سوائے وقتی گفتگو کے کوئی واسطہ نہ ہو، میری محبوبہ سمجھنے لگو"

——— "اچھا اگر اس عورت سے تمہیں کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور کل ہی اتفاق سے تمہاری ملاقات وہیں سینما میں ہو گئی تھی تو مجھ سے جھوٹ کیوں بولے کہ آج کل پروگرام روز بدلتا ہے"

"واللہ بیگم، یہ بات خود میری سمجھ میں نہیں آتی کہ میں کیوں جھوٹ بولا، لیکن خیر جانے دو، یہ کوئی ایسا بڑا جھوٹ نہیں کہ تم آیندہ کے لئے بھی مجھے سچ بولنے کا اہل نہ سمجھو ——— اور ہاں، دیکھو آج میں نے جاوید مرحوم کے کلام پر تبصرہ کیا ہے، کل ہی سے خیال کر رہا تھا کہ تمہیں

ایک شعر سناؤں گا، دیکھو کیا خوب لکھا ہے:-

بس اک بوسہ پراتنی بحث زیبا ہے نہ شایاں ہے
نگاہیں نیچی کر لو، خیر، اچھا لے لیا ہوگا

———— "چلو ہٹو، مجھے ایسی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں"

ان کے "چلو ہٹو" کا میرے پاس صرف ایک ہی "مسکت" جواب ہوا کرتا ہے۔ جس سے ان کا منہ بند ہوجاتا ہے اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ میں اس سے کام نہ لیتا۔

"سینما میں اب بھی جاتا ہوں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس دن کے بعد سے پھر کبھی سینما کا پروگرام روز نہیں بدلا"

نیاز

تذکرۂ خندۂ گل
یا
ظریف شاعروں کا تذکرہ

مکمل ہوکر شایع ہوگیا ہے اور ان حضرات کے نام روانگی شروع ہوگئی ہے جنکی پیشگی رعایتی رقم وصول ہوچکی ہے، رعایتی میعاد خریداری ۳۰ جون کو ختم ہوگئی اسلئے اب جو صاحب طلب کرینگے ان سے معہ محصول للعہ (چار روپیہ) لئے جائیں گے۔

یہ تذکرہ اُردو زبان میں بالکل نئی چیز ہے جسمیں ۳۰ سے زاید ظریف شاعروں کے حالات، انکے لطایف اور کلام کا انتخاب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب تنہائی کی بہترین مونس، غمزدہ دل کیلئے باعث تفریح اور ایک محقق کیلئے نادر خزینہ ہے۔

حجم معہ فہرست وسرورق ۴۹۲ صفحات یہ کتاب صرف نگار بک ایجنسی لکھنؤ سے معہ محصول للعہ میں مل سکتی ہے۔

مغنیۂ مصر
"المی" سے

بیخودِ سرور و کیف مست ناز ساقیہ!
رنگ بخشِ زندگی جاں طراز قافلہ!
خضرِ جادۂ نجات پاکباز کافرہ!
دلنواز نغمہ گر دل ربا مغنیہ!
مستیاں لٹائے جا
زمزمے اڑائے جا

لڑکھڑا خمار سے! تھرتھرا شراب میں!!
جگمگا جمال سے جھلملا حجاب میں!!
مستیوں میں جھوم جا مسکرا شباب میں!!
ہاں کوئی اثر بھرا گیت گا رباب میں!!
جوش دل بڑھائے جا
زمزمے اڑائے جا

نازنین صدائیں ہوں نازنین زمزمے
یاسمیں نوائیں ہوں یاسمین زمزمے
دلنشین ادائیں ہوں دلنشین زمزمے
اے حسین مطربہ! گا! حسین زمزمے
آگ سی لگائے جا
زمزمے اڑائے جا

تیری اک نظر میں ہے صد جہانِ میکدہ
تجھ پہ جان دے چکے مے کشانِ میکدہ
تیری خاکِ پا میں ہے آستانِ میکدہ
مستِ بادۂ جمال جانِ جانِ میکدہ
آتشیں پلائے جا
زمزمے اڑائے جا

آبشارِ نیل میں رقصِ موجِ نور ہے
قطرۂ خراب بھی چشمۂ سرور ہے
گوشہ گوشہ خلد ہے ذرہ ذرہ طور ہے
مطربہ نہیں ہے تو! ہاں "ارم" کی حور ہے
عظمتیں لٹائے جا!
زمزمے اڑائے جا!

ہے سرودِ زمزمہ یا خمارِ رنگ و بو
"کیف گاہِ نیل" ہے سجدہ زارِ رنگ و بو
تیری ہر ادا میں ہے صد بہارِ رنگ و بو
کیا ترا ہی نام ہے؟ "تاجدارِ رنگ و بو"؟
"شوخ گیت" گائے جا!
زمزمے اڑائے جا!

نجم ضو بدست ہیں مہر ضیا بدوش ہے
عشق میگسار ہے حسن مے فروش ہے
"رنگ" جنت نظر راگ خلد گوش ہے

مرمریں لباس میں — حور پردہ پوش ہے

بجلیاں گرائے جا!

زمزمے اڑائے جا!

زلف عنبریں تری — کفر دل نواز ہے

اس حسیں حجاب میں — زندگی کا راز ہے

ابروِ سیاہ میں — کعبۂ مجاز ہے

تیری خاک راہ میں — سجدہ گاہ ناز ہے

بے خبر بنائے جا!

زمزمے اڑائے جا!

سرمگیں نگاہ میں — نشۂ حجاب ہے

شوخی لباس میں — عصمت شباب ہے

زلف نازنیں نہیں — کیف گر سحاب ہے

موجِ مست کن ہے؟ یا — نغمۂ رباب ہے

جھوم اور جھمائے جا!

زمزمے اڑائے جا!

تیرے زمزموں میں ہے — سوز و ساز زندگی

بے نقاب کر دیا — تو نے راز زندگی

تری اک نگاہ ہے — امتیاز زندگی

آج کائنات ہے — بے نیاز زندگی۔

حسرتیں مٹائے جا

زمزمے اڑائے جا

روش صدیقی

غزل فرخ بنارسی

ایسا بیگانہ کیا تیری شناسائی نے — پھیر لی سب سے نظر چشم تماشائی نے

امتیاز حرم و دیر بھی باقی نہ رہا — ایسا خود رفتہ کیا شوق جبیں سائی نے

بیخودی جذب محبت کی الٰہی توبہ — درد کو درد نہ سمجھا ترے شیدائی نے

کم نہیں زندگی خضر سے اک ایک نفس — مدت عمر بڑھا دی غم تنہائی نے

پردۂ برق میں او ہوش اڑانے والے — اب تو چھپ دیکھ لیا تجھکو تماشائی نے

تپش اندوز ہے ہر ذرہ بزم ہستی — تہلکہ ڈالدیا ہے تری رعنائی نے

حشر میں دیکھتے ہی سب مجھے پہچان گئے — طول کھینچا ہے کہاں تک مری رسوائی نے

اب عناصر میں وہ ترتیب تناسب نہ رہی — اسقدر خاک اڑائی ترے سودائی نے

عبرت آموز ہے نیرنگ جہاں اے فرخ

انقلابات کے ہیں شام سحر آئینے

غزل نظیر لودھیانوی

غم سے گھل گھل کے محبت میں فنا ہو جانا — بزم ہستی میں ہے آپ اپنی دوا ہو جانا

زیر خنجر بھی جبیں جھک گئی اللہ اللہ! — اسقدر بندۂ تسلیم و رضا ہو جانا

چشم پر آب، زباں بند، نظر سوئے فلک — یہ ہے غافل ہمہ تن دست دعا ہو جانا

جاگ اٹھا درد محبت سے مرا ہر ذرہ — سہل ہے اب مرے ہر عقدہ کا وا ہو جانا

دل ترا خیر طلب آنکھ تری دست نگر — اب تری قید سے مشکل ہے رہا ہو جانا

چشم حسرت نے دم ذبح یہ کیا قہر کیا — ہائے اس قاتل سرکش کا خفا ہو جانا

عقل ہر دم دل مضطر کو یہ سمجھاتی ہے — اب تجھے چاہیے آزاد وفا ہو جانا

میرے نزدیک ہے محبوب دو عالم بننا — دم خنجر سے ترے سرخ قبا ہو جانا

میرے گہوارۂ دل میں بھی وہ آتے ہیں نظیر

کہ اسے آتا ہے آغوش حرا ہو جانا

غم روزگار

میں اک حکیم ہوں میرے حریم دانش میں　　نوائے ساز حقیقت ہے نغمۂ تمثیل
ضمیر دہر پہ فطرت کے راز کھل نہ سکیں　　گرہ کشا جو نہو، میرا ناخن تاویل
مری نگاہ میں پنہاں حقائق تخلیق　　مرے خیال میں رخشاں معارف تکمیل
بہار گلشن اسرار ہے۔ مری توضیح　　ضیائے جلوۂ پندار ہے، مری تفصیل
میں اس فضا میں ہوں سرگرم شام و سحر　　جہاں ہے۔ عاجز پرواز، شہپر جبریل
مگر باینہمہ، دانش، غم زمانہ تلخ،　　بجھا رہا ہے، مری بزم فکر کی قندیل
ہوئے ہیں جس سے ارادات دلنشیں مجروح　　کیا ہے جسنے مری ہمتوں کو پست و ذلیل
تجھے دکھاؤں کہ کیا چیز ہے مری ہستی　　ہزار جلوۂ باطن ہیں طالب تحصیل
یہ خار کاش مرے قلب سے نکل جائے

(۲)

میں ایک صاحب اہل و عیال شوہر ہوں　　مری مسرت معصوم صد چمن بر دوش
طلوع صبح کے ہمراہ مسکراتی ہے　　سکوت شب میں سناتی ہے نغمۂ خاموش
عطا ہوئی ہے وہ چھوٹی سی سلطنت مجکو　　کنار امن ہے جسکا طرب فزا آغوش
مرے حدود دشمنی میں عداوتیں مفقود　　مرے چمن کی فضا میں خزاں بہار فروش
مگر زمانۂ نا اہل کی ستم گاری　　دبا رہی ہے مرے ولولوں کا پیہم جوش
مری جبیں سے عیاں ہے مری شکستہ دلی　　اگرچہ شاہد عشرت ہے میری حلقہ بگوش
بتا کہ اسکے سمجھنے کی تجکو قدرت ہے!　　وہ تلخ ساعت ہستی وہ برق خرمن ہوش
کہ تیرے سامنے معصوم ہستیوں کو لئے　　جب ایک چاند سے زاہد حسین جھپا بوش
سجی ہو جلوۂ عصمت سے جسکی پیشانی　　جو نشۂ رخ پاکیزگی سے ہو مدہوش
کھڑی ہو چشم غزالیں میں ڈبڈبائے اشک　　نگاہ حزن بہ دامن نوائے غم بر دوش
اور آگے ہو نہ سکیں تجھ سے حاجتیں پوری　　اگرچہ ہو تو خرد آشنا و صاحب ہوش
زمانہ گرچہ مرے پاؤں چومتا ہے مگر　　یہ زندگی ہے مری حق میں موت کی آغوش
خدا کرے کہ زمانہ کا رخ بدل جائے

(۳)

میں ایک شاعر رمز آشنائے فطرت ہوں　　مری نگاہ میں ہے خوب و زشت شام و سحر
ہر ایک پھول ہے میرے لئے حریم جمال　　کلی کلی ہے مرے واسطے بہشت نظر
ادھر سحر ہے بہ اندازۂ رباب نشاط　　ادھر ہے شام بہ طرز سرود کیف اثر
تجھے ہے، سطح کے جلووں سے یکسر اطمینان　　مری نگاہ ہے باوصف تہ رسی مضطر
مجاز ہا میں پاتا ہوں گاہ خاموشی　　کبھی خموش فضاؤں میں شورش محشر
وہاں ہوئی ہے ضیا بار میری شمع دماغ　　چراغ کشتہ ہیں جس انجمن میں شمس و قمر
مری نگاہ سے تو کاش اسکو دیکھ سکے　　یہ کارخانۂ ہستی ہے اک فریب نظر
مگر وہ روح کہ غمگینیوں سے ہے لبریز　　رہین بیخبری ہے جو باوجود خبر
جسے کیا ہے زمانہ کی سرد مہری نے　　قفس رسیدۂ آلام، طائر بے پر
حیات جسکے سبب سے ہوئی ہے ننگ حیات　　نشاط جسکے اثر سے ملال غم پرور
اسی سے ہیں مرے افکار کی جبیں تاریک　　اسی سے ہے مری لیلائے شعر خاک بسر
تجھے دکھاؤں جو حالت مری سنبھل جائے

سید علی اختر

"آجا"

(۱)

کوئل کوک رہی ہے پیہم　　گیری آنے کا ہے موسم
پچھلی رات کا سناٹا ہے　　سویا ہوا ہے سارا عالم
تاروں کی چشمک سے ہوئی ہے　　اوجِ فلک پر جھم جھم جھم جھم
چاند افق میں ڈوب رہا ہے　　مہک رہی ہے "شب کی بیگم"
اب بھی آنے والے آجا!
آ، للہ ستالے آجا!

(۲)

رخ سے ہٹا کر زلفِ پریشاں　　اٹھی "عروس شب" وہ عریاں
بگڑی مانگ میں کاہکشاں کی　　بکھری ہوئی ہے گویا افشاں
زہرہ رشک سے جھانک رہی ہے　　رقص کناں ہیں رات کی پریاں
اک دریائے "موسیقی" میں　　ڈوب رہی ہے بزم امکاں
آجا تو بھی گالے آجا،
اپنا رباب اٹھالے آجا!

(۳)

اپنی نیند سلانے والے　　اپنی نیند اڑانے والے
بھولی باتیں یاد دلا کر!　　ساری رات جگانے والے
ہر ہچکی پہ چٹکی لے کر!　　دل کی خلش کو بڑھانے والے
روح میں ایک چراغ جلا کر　　جسم میں آگ لگانے والے
آجا! اور جلالے آجا!
تڑپالے ترسالے آجا!

(۴)

دل سے اک سیلاب اٹھا ہے　　سینہ میں ہیجان بپا ہے
یاس کی طوفانی موجوں میں　　آس کا بیڑا ڈوب رہا ہے
آنکھ کی روشن بینائی پر　　اشک نے پردہ ڈال دیا ہے
خاموشی ہے تاریکی ہے!　　کون ایسے میں دیکھ رہا ہے
میرے بھولے بھالے آجا!
اب بھی دیکھ ستالے آجا!

(۵)

... آجا کوئی شراب پلادے　　ہوش میں ہوں مدہوش بنادے
چھیڑ دے احساسِ خوابیدہ　　قلب کی حرکت اور بڑھادے
اچھا اپنا پتہ نہ بتلا.....　　مجھکو میرا پتہ بتادے
یعنی پردۂ راز اٹھا کر　　آج حریم ناز دکھادے
محرم راز بنالے آجا!
آمیرے متوالے آجا!

طالب باغپتی

پرتاب ۱۲/
رودہنی ۱۰/

مولانا شرر مرحوم

جنید بغدادی عہ/
ملکہ زنوبیہ ۳/
قرۃ العین ۳/
مخدرات عہ/
جویائے حق للعہ
لعبت چین عہ/
فاتح مفتوح عہ/
بابک خرمی عہ/
الفانسو ۱۲/
ایام عرب عا/
قیس و لبنیٰ عہ/
یوسف و نجمہ عہ/
زوال بغداد عہ/
مینا بازار عہ/
مقدس نازنین عہ/
رومتہ الکبریٰ عہ/
فلپانا عہ/
شوقین ملکہ عہ/
منصور موہنا ۸/
حسن انجلینا ۸/
ملک العزیز ورجنا ۱۲/
فردوس بریں ۸/
حسن کا ڈاکو عہ/
دربار حرام پور ۱۰/
حبیب دان دلہن عہ/
بدر النساء کی مصیبت عہ/

میوۂ تلخ ۸/
نیکی کا پھل عہ/

شوق قدوائی مرحوم

ترانۂ شوق عہ/
قاسم و زہرہ عہ/
نیرنگ جمال ۴/

میر ولی اللہ بی اے

بندگی عا/
کاس الکرام سے/
لسان الغیب جلد اول سے/
〃 دوم عا/
〃 سوم عا/
〃 چہارم عا/
نمکدان فصاحت عہ/
بادۂ ناب عہ/

ظفر عمر بی اے

چوروں کا کلب ۹/
نیلی چھتری عہ/
بہرام کی گرفتاری عہ/

مولانا نیاز فتحپوری

گیتان جلی عا/
گہوارۂ تمدن عا/
نگارستان عا/
صحابیات عا/
تاریخ الدولتین عہ/

سید سجاد حیدر بی اے

زہرا ۱۲/
جلال الدین خوارزم شاہ عہ/
خیالستان عہ/
ثالث بالخیر ۴/

حکایات و احتسابات عہ/

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

سراب فیشن ۸/
بالشوک شہزادی ۸/
شہید وفا ۸/
ممتاز بیگم ۸/
شعلۂ رنگین ۸/
محاصرۂ پیرس عہ/
شیخ چلی عہ/
بہادر ترک ۸/
بہرام کی واپسی ۴/
انقلاب فرانس عہ/
حسن بنارس ۸/
فطرتی جاسوس عہ/
ترکی حرم سرا ۸/
جنگ طرابلس ۸/
بہرام چور عہ/
زرپرست عہ/
کنجی کا راز عہ/
عبدالرحمن ناصر عا/
عروس مصر عا/
سیلاب خون عہ/
کرشمہ عہ/
وفادار دلہن عہ/
طواف زمین عہ/

سیاحت زمین عہ/
سیاحت عہ/
نازنین مراکش ۸/
سمندر کی سیر عا/
اسرار بالشوزم عہ/
روح لیلیٰ سے/
امین بک عہ/
حجاج بن یوسف عہ/
یوسف پاشا عہ/
انقلاب عثمانی عہ/
نیلی چھتری عہ/
بہرام کی آزادی ۱۲/
بہرام کی گرفتاری عہ/
بہرام کی سرگزشت عہ/
پراسرار قتل عا/

ادبی کتابیں

مکمل شرح دیوان غالب سے
بزم خیال عہ/
شاطرۂ سخن عہ/
انشائے نسواں ۶/
مکاتیب محسن الملک عہ/
لیلیٰ مجنوں ڈراما ۸/

مراثی

مراثی دبیر عا/
مراثی انیس للعہ
مراثی ضمیر عہ/

مراثی مونس ۱۲/
مراثی دلگیر ۱۲/

تذکرۃ الشعرا

تذکرۂ حسینی ۱۱/
گلشن ۱۰/
سراپائے سخن عہ/
سوانح نظیر اکبرآبادی عہ/

دواوین فارسی

دیوان شمس تبریز عہ/
کلیات عراقی ۱۲/
دیوان حافظ عہ/
دیوان نعمت خان عالی عہ/
کلیات انوری عا/
دیوان بیدل ۱۰/
کلیات سعدی عہ/
دیوان عرفی ۱۲/
کلیات جامی عہ/
کلیات غالب عہ/
کلیات صائب عہ/
کلیات حزیں عا/
دیوان عنصری ۴/
دیوان ظہیر فاریابی ۶/
دیوان غنی کشمیری ۶/
دیوان ناصر علی ۵/
دیوان ہلالی ۶/
کلیات جلال اسیر عہ/

دواوین اردو

دیوان حسن دہلوی ۶/
کلیات ظفر عا/

کلیات مومن عہ/
دیوان ناسخ عہ/
کلیات میر عہ/
کلیات سودا عہ/
کلیات انشا عہ/
کلیات نظیر اکبرآبادی عہ/
گلزار داغ عہ/
دیوان رند ۹/
دیوان ذوق ۱۲/
کلیات اسمٰعیل عا/
مرآۃ الغیب عہ/
صنمخانۂ عشق عا/
فریاد داغ ۴/
دیوان قاتل ۸/
دیوان شہیدی ۴/

عجائب و غرائب

عجائب المخلوقات تصویر رنگین عہ
〃 باتصویر سادہ للعہ
مجمع الفنون سے/
طلسم فرنگ عا/
کارخانۂ عالم عہ/

رینالڈز کے ناولوں کے ترجمے

الہ دین و لیلیٰ عہ/
فریب حسن عا/
سوزن عشق عہ/
روز الیمبرٹ للعہ
ناول اسرار عا/
شام جوانی سے/
طلسمی فانوس عہ/

نگار بک ایجنسی
نظیر آباد لکھنؤ

تصانیف مولانا نیاز فتحپوری

صحابیات

جس میں عہد سعادت کے ۵۰ خواتین کے
مستند حالات درج ہیں - اس کا مقدمہ مولانا کی
خاص زبان دانشا میں ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے
قیمت فی جلد ۶ر

نگارستان

زیر طبع ہے

شاعر کا انجام

زیر طبع ہے

شہاب کی سرگزشت

اردو میں پہلا فسانہ ہے جس میں نفسیاتی تخلیل
کے لحاظ سے سیرت نگاری کی گئی ہے - یہ امر
مسلم ہو چکا ہے کہ اردو میں اس سے بہتر تخییل
اور بلند انشا کا فسانہ کوئی شائع نہیں ہوا -
قیمت فی جلد عمر

جذبات بھاشا

ہندی شاعری میں جو لوچ اور کیفیت ہے اس کا
علم انھیں کو ہو سکتا ہے - جنھوں نے اس زبان
کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے - اس کتاب کو دیکھیے
اور جذبات وخیال کی پاکیزگی کی داد دیجیے -
قیمت فی جلد ۱۲ار

تاریخ الدولتین

جرجی زیدان مصری مشہور مورخ اسلام ک
تاریخ تمدن اسلامی کے ایک حصہ کا ترج
جس میں عہد بنی امیہ و بنی عباس کی سیا
تاریخ پر بے مثل تبصرہ کیا گیا ہے -
قیمت فی جلد عہ

علم فراست الید

یعنی ہات کی لکیروں کو دیکھکر ایک شخص کی سیرت اور اس کے ماضی
و مستقبل کے حالات معلوم کرنے کا علم - اس فن پر ایک سلسلہ
مضامین نگار میں شایع ہوا تھا - اب اسے خوبصورت جیبی سائز میں
مرتب کیا جا رہا ہے اور اخیر دسمبر ۱۹۲۸ء تک شایع ہو جائیگا - اس
کتاب میں اس فن کے تمام مشکلات اسقدر آسان زبان میں حل کئے
گئے ہیں کہ ہر شخص مطالعہ کرنے کے بعد نہایت معمولی مشق سے ہات دیکھکر
صحیح احکام صادر کر سکتا ہے قیمت فی جلد عہ

ظریف شاعروں کا تذکرہ
یا
تذکرہ خندہ گل

اردو فارسی کے جتنے ظریف شاعر گزر چکے ہیں یا اب موجود ہیں ان سب کے حالات
مع ان کے لطائف و ظرائف اور نمونہ کلام کے یکجا کر دیئے گئے ہیں - یہ کتاب اپنے
موضوع اور دلچسپی کے لحاظ سے اردو میں پہلی کتاب ہے حجم ۵۰۰
صفحات قیمت معہ محصول للعہ

خاک پروانہ

مشہور فسانہ نگار منشی پریم چند کے افسانوں کا مجموعہ - جن کی شہرت و قبول کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چینی زبان میں بھی اسکے ترجمہ ہوئے ہیں
قیمت علاوہ محصول عہ

(منیجر "رسالہ "نگار" نظیر آباد لکھنؤ)